ماھنامہ

حکمت بالغہ

جون2008

مدیر:انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

رؤیت ہلال کا مسئلہ
بصری یا نظری

انجینئر مختار فاروقی

یہ مضمون روزنامہ ''نوائے وقت'' میں اشاعت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے جگہ کی مناسبت سے مضمون کو مختصر کر کے شائع کیا تھا۔ حکمت بالغہ کے ان صفحات میں پورا مضمون ہدیہ قارئین ہے تا کہ پورے استقلال کے ساتھ بات واضح ہو سکے۔ (ادارہ)

ہر سال رمضان المبارک کے آغاز اور عیدین کے موقع پر نئے چاند کی تاریخ کے تعین کے سلسلے میں دن بدن اختلاف بڑھتا چلا جا رہا ہے جو تمام مسلمانوں اور اتحاد المسلمین کے علمبرداروں کے لئے ذہنی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ نئے قمری ماہ کا چاند دیکھنے کا مسئلہ بظاہر تو سادہ سا ہے مگر دور حاضر کی حیران کن ترقی اور وسائل کی فراوانی نے اسے ایک اہم قضیہ بنا دیا ہے۔ ایک صدی پہلے تک جہاں جہاں مسلمان بستے تھے وہاں مقامی مطلع کے مطابق چاند دیکھ کر قمری مہینے کی یکم تاریخ کا تعین کر لیتے تھے۔ اس لئے کہ سفر مشکل تھے اور اطلاعات کی منتقلی زیادہ تیز رفتار نہیں تھی زیادہ سے زیادہ سفر روزانہ 15-20 میل (یا 20-30 کلومیٹر) ہوتا تھا اس درجے میں مطلع کا ویسے ہی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔

دور حاضر میں ایک آدمی سعودی عرب میں چاند دیکھ کر جہاز میں بیٹھتا ہے اور رات گیارہ بجے تک کراچی پہنچ جاتا ہے یا آدمی کراچی سے عصر کے وقت روانہ ہو کر جدہ اترتا ہے تو وہاں مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہوتا ہے دوستوں کو موبائل پر اطلاع دے سکتا ہے چاند نظر آ گیا ہے لمحے لمحے کی خبریں یہاں سے وہاں، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ رہی ہیں لہٰذا اب ہماری ذہنی ساخت اور صدیوں سے بنے بنائے نسلاً بعد نسل جاری ذہنی پیمانے بھی مجروح ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید بلاشبہ اللہ کا کلام ہے سنت رسول ﷺ قرآن کی تشریح اور تفاصیل کے تعین کے لئے واحد سرچشمہ ہے۔ قرآن وسنت اپنی جگہ لیکن قرآن وحدیث سے ہمارے ذہنوں نے کچھ چیزیں اخذ کرنے کیلئے ایک کائناتی تصور کا معہود ذہنی ساخت اور سانچہ یا کینڈا پہلے ہی بنا لیا ہوتا ہے جو ہر دور میں اپنے دور کے مروجہ علوم اور عصری علوم کیساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے کائنات سے متعلق قرآن وحدیث کے الفاظ سے جو سمجھا گیا وہ اس دور کے عصری علوم کی فضا سے باہر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کا مکلّف ٹھہرایا ہے تاہم گذشتہ دو تین صدیوں میں مغربی علوم کی ترقی کے ساتھ کائنات کے بارے میں جو انسانی معلومات میں حد درجہ اضافہ ہوا ہے اس سے قرآن وحدیث کے الفاظ اور متن میں تو نہ کوئی فرق پڑنے والا ہے اور نہ آئندہ پڑے گا مگر ہمارے ذہنی پیمانے اور تصورات کو اس ترقی سے ضرور دھچکا لگتا ہے جس صورت حال کو ہم جلد بازی میں ''قرآن وحدیث کے خلاف'' کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں حالانکہ کائناتی حقائق کے بارے میں سائنسی ترقی قرآن مجید کے الفاظ اور متن کو زیادہ حق ثابت کر رہی ہے اور اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہے جس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئیے۔ اس کی درج ذیل مثالیں سامنے رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن رسا کو قرآن وسنت کے تصور کے قریب تر کر دیں گے۔ (مزید انشراح صدر کیلئے فرانس کے نومسلم ڈاکٹر مورس تھائی کی کتاب ''بائیبل، قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ کریں۔

(i) آج سے 6 ہزار سال پہلے سے لیکر اٹھارویں صدی تک دنیا بھر میں عوامی سطح پر زمین کے چپٹا ہونے کا تصور تھا۔ (آج بھی دور دراز علاقوں میں کم تعلیم یافتہ لوگ

شاید اسی دور میں رہ رہے ہیں) آسمان کا بلند ہونا بھی بس چند سو میٹر سے زیادہ فاصلے کا تصور نہ تھا۔

اسی لئے ہمارے قدیم مذہبی لٹریچر میں اور قرآن کی تشریح میں جو اس دور کی تحریریں ہیں ان میں طوفان نوحؑ کا تذکرہ عجب انداز میں ہے کہ وہ پوری زمین پر آیا تھا بلکہ دیہاتی سطح پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیڑا آسمان سے جالگا تھا۔

قرآن مجید میں سورۃ مومن (40) میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت توحید دی ہے اور رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے تو فرعون نے بزعم خویش اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ میرے لئے ایک اونچی سی عمارت بناؤ تا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب فضاؤں میں کہاں ہے؟ ــــــــــــ اس کے خیال میں دس بیس منزلہ مکان کی چھت (یا اونچے سے اونچے اہرام 400 فٹ) پر کھڑے ہو کر فضا میں اللہ کے بارے میں خبر لائی جا سکتی ہے۔ یہ کوتاہ فہمی صرف فرعون کا قصور نہیں تھا بلکہ کئی سو سال تک طبیعات کی دنیا کے یہی تصورات رہے۔ انسان وحی الٰہی کی بھی وہی تشریحات کرتا ہے جو اس کے مروجہ علوم عصری سے ایک ذہنی ظرف تیار ہو چکا ہوتا ہے اور یہی سلسلہ ماضی میں جاری رہا ہے۔

الحمدللہ، حقیقت کے عین مطابق امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے الفاظ اٹل اور مستقل ہیں قرآن مجید کی تشریح سنت رسول ﷺ ہے اور اس سنت کا ماخذ اول کتب احادیث ہیں اور پھر آثار صحابہؓ ہیں۔ تاہم چونکہ احادیث کے الفاظ اور متن میں انسانی ذہن اور یادداشت کو دخل ہے لہٰذا اس کے الفاظ صحابہؓ اور تابعین کے دور کے بعد کے غیر ثقہ راویان کی وجہ سے حدیث کے صحیح ہونے اور مفہوم کے ادا ہونے کے باوجود الفاظ کے غیر نبوی ﷺ ہونے کا امکان ہے۔

اس پر مستزاد ہے عصری علوم اور طبعی اور جغرافیائی حقائق کے زیر اثر آج سے ہزار سال قبل کا ذہن جس نے علوم انبیاء علیہم السلام کو اخذ کیا اور ان کی تشریح کی لیکن اس دور کے کائنات کے تصور سے بہر حال باہر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ممکن ہی تھا۔

آج گزشتہ پانچ صدیوں کی محنت اور تجرباتی علوم کی ترقی کے باعث فلکیات ،طبقاتی سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب کائنات کا تصور ہی بدل گیا ہے اور پرانے ذہنی سانچے الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔

اسی طرح چاند زمین اور سورج سے متعلق حقائق کی دریافت سے بھی پرانا ذہن بدل چکا ہے۔اگر چہ قرآن مجید کے الفاظ اٹل ہیں اور احادیث اور سنت رسول ﷺ بھی غیر متبدل ہے تاہم سائنسی اور کائناتی حقائق کی دریافت اور علم کی وسعتوں کے پیش نظر انسان کا ذہنی ظرف بدلا ہے تو قرآن وحدیث کے الفاظ کی روشنی میں حقائق پر دوبارہ غور وفکر کی ضرورت ہے اور یہ بھی کوئی اور نہیں علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت ہی کو کرنا ہوگا۔

اس پس منظر میں دیکھئے قمری مہینے کی ابتداء اور رویت ہلال کا مسئلہ اہم ہونے کے باوجود کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے، آیئے چند بنیادی حقائق پر نظر ڈالیں اور غور کریں۔

(1) زمانہ قدیم میں قمری اور شمسی دونوں طرح کے کیلنڈر رائج تھے اور آج بھی ہیں۔اور مذاہب و اقوام عالم عام طور پر کسی ایک کو اپنے لئے اختیار کئے ہوئے ہیں۔اسلام کی افاقیت کی دلیل اور اللہ کی حکمت کا مظہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو بروئے کار لانے کے لئے سورج اور چاند دونوں سے متعلق وقت کی پیمائش کو اپنا اپنا مقام دیا ہے۔

(i) نمازوں کے لئے سورج کے طلوع وغروب کے حوالے سے پانچ نمازیں فرض ہیں اوقات (زوال طلوع، غروب وغیرہ) سورج کے متعلق کر دیئے گئے ہیں۔

(ii) فصلوں کا نظام اور عشر کا نظام بھی سورج کے ساتھ وابستہ ہے صاف ظاہر ہے کہ اس کو قمری نظام سے جوڑنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی جوڑا گیا ہے۔

(iii) اسلامی تقویم اور حج اور روزہ کی عبادت کو چاند کی حرکت اور تغیر وتبدل کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں ویسے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تاہم جو حکمت عیاں ہے وہ یہ کہ روزہ اور حج کو قمری کیلنڈر سے جوڑ کر ان عبادات کو کسی ایک موسم کی بجائے سال بھر کے دوران چلایا گیا ہے۔کہ دنیا کے ہر خطے اور علاقے کے لوگ مختلف موسموں اور فصلوں اور مصروفیات کے دوران ان

عبادات کے لئے وقت نکالیں اور سردیوں گرمیوں کے مستقل خانوں میں مقید نہ رہیں

(iv) نمازوں کے اوقات کے لئے پہلے سورج کو دیکھا جاتا تھا اور سائے سے اندازہ لگایا جاتا تھا اب اس نے ترقی کر کے گھڑی کی شکل اختیار کر لی ہے۔سوئیوں والی گھڑی کی بنیاد سورج اور سایہ کی تبدیلی ہی ہے۔

(v) اب موجودہ دور میں ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے اور ڈیجیٹل کلاک نے تو سارا منظر تبدیل کر دیا ہے اور گھڑی اور سورج کا ایک موہوم سا تعلق بھی قصہ ماضی بنا دیا ہے

دور نبوی ﷺ اور دور صحابہ ؓ میں رویت ہلال سے متعلق مختلف مواقع پر مندرجہ ذیل قسم کی صورت حال پیدا ہوئی۔

(i) اسلام میں عیدوں کی تہواری اہمیت اور حضرت محمد ﷺ کی ترغیب اور تشویق کے نتیجے میں عام شوق تھا کہ چاند دیکھا جائے۔اگر چہ کبھی بھی شاید ایسا نہیں ہوا کہ لازماً تمام مرد و خواتین چاند دیکھیں تاہم اگر اکثر نے چاند دیکھ لیا تو بات اولی الامر تک پہنچائی گئی اور چاند کا اعلان کر دیا گیا۔

(ii) مطلع کے صاف نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ہلال عمومی طور پر نظر نہیں آیا تو کم از کم دو معتبر گواہ ہونے کی صورت میں اولی الامر نے چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔

(iii) کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا بلکہ باہر سے کوئی آدمی آیا اور اس نے (مطلع کے ذرا سے فرق کی وجہ سے) چاند دیکھنے کی شہادت دی تو اولی الامر نے چاند دیکھنے کا فیصلہ کر دیا۔

(iv) دور نبوی ﷺ میں رمضان کے 30 ویں دن ایک آدمی مدینے سے باہر سے آیا اور اس نے چاند ہونے کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے روزہ کھلوا کر عید ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(v) اسلامی سلطنت کی وسعت پر مختلف شہروں میں چاند کے فیصلہ ہونے کی صورت میں قریبی علاقہ جہاں تک اطلاع پہنچائی جا سکتی تھی (زیادہ سے زیادہ ایک

روز کا سفر) وہاں تک نیا چاند نظر آنے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق عمل کیا گیا۔

دور حاضر میں علمائے کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے مختلف مواقع پر نئے تناظر میں اجتہاد کیا ہے اور امت کی رہنمائی کی ہے یہ اجتہادی فیصلے بڑے اہم ہیں اب وہاں سے آگے کی طرف مزید سوچنے کی ضرورت ہے 60 کی دہائی میں جب پاکستان مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھا ایسا ہوتا تھا کہ مغربی پاکستان میں چاند نظر آیا تو 1000 میل دور مشرقی پاکستان میں عید کر لی گئی اور اگر مشرقی پاکستان میں چاند نظر آیا۔ تو مغربی پاکستان میں عید کر لی گئی۔ اگر چہ مروجہ طور پر مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک گھنٹے کا فرق تھا اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد کیا 1000 میل (1600 کلومیٹر) کے فاصلے پر دالبدین سے بحرین کا یا الجبیل (سعودی عرب کا مشرقی مقام) سے ہلال کی رویت کو نہیں جوڑا جا سکتا۔ پشاور میں چاند نظر آنے پر گوادر اور تربت میں عید ہو سکتی ہے تو تربت میں چاند نظر آنے پر پورے ملک میں عید کیوں نہیں ہو سکتی؟۔ امرتسر اور لاہور کا فرق 50 کلومیٹر کا ہے شاید گوادر میں رویت ہلال پر لاہور میں عید ہو جائے۔ مگر امرتسر میں چاند نظر آنے پر ممکن نہیں کیوں؟۔ حالانکہ مطلع کا کوئی فرق نہیں اور مطلع اور فضا ہر قسم کی جغرافیائی حدود سے بالا تر چیز ہے۔ اس طرح سعودی عرب اور مصر، سعودی عرب اور کویت ،امارات، عراق، اردن اس طرح ہیں جس طرح پاکستان کا صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد اور کشمیر۔ پھر اللہ ﷻ نے عالم اسلام کو جو جگہ دی ہے وہ جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا سے مراکش تک صرف 6 گھنٹے کا فرق ہے جبکہ پاکستان سے لیکر سعودی عرب تک کا علاقہ اس کا وسط ہے اگر اس درمیانی علاقہ میں چاند نظر آ جائے تو پورے عالم اسلام میں رویت تسلیم کی جانی چاہئے۔

اس سے بھی ذرا ہٹ کر غور فرمائیں پورے فضائی ماحول میں چاند وہ واحد کرّہ ہے جس سے متعلق انسانی معلومات آج زمین کے بعد سب سے زیادہ ہیں اس لئے کہ وہاں تو مختلف مہمات کے دوران انسان کے بھیجے ہوئے مشینی آلات سمیت چاند گاڑی اتر چکی ہے۔ لہٰذا اس کی

حرکات اور مدار کے لمحے لمحے کی کیفیت کا ہمیں گھر بیٹھے اندازہ ہے اسی لئے ہم سب جانتے ہیں کہ اب سال پہلے (بلکہ آئندہ دس سال کے چاند سورج کے گرہنوں کا شیڈول دیا جا سکتا ہے) چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات، دورانیہ اور تاریخ سے متعلق اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اس وقت فی الواقع گرہن کے وقت میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

گویا چاند کی محوری گردش اور سالانہ گردش کی معلومات کے پیش نظر سال بھر کے چاند کے سفر اور کسی خاص مطلع پر اس کے نظر آنے کی پیشگی اطلاع ہو سکتی ہے۔ جیسے سورج کے طلوع و غروب کے سائنسی نظام سے بنے چارٹوں سے ہم لوگ فائدہ حاصل کر کے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں اسی طرح اس کے مماثل چاند کے بارے میں معلومات کے تحت رمضان المبارک کے آغاز و اختتام کا فیصلہ نہ خلاف عقل و فطرت اور نہ ابعد من السنة ہے۔

ایک اور نظر سے دیکھیں تو ہمارے قابل احترام علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے اس طرح کا ایک اجتہاد پہلے سے کر رکھا ہے اور اسی کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے اور ایسا فتویٰ حالات کا تقاضا بھی ہے اور قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی بھی۔ و ھو ھذا ــــــــــــ کرّہ ارض کے انتہائی شمالی ممالک اور علاقوں میں 6 ماہ کی رات اور 6 ماہ کا دن ہوتا ہے یا کم وبیش اس طرح کے حالات ہیں ایسی صورت میں صاف ظاہر ہے کہ یا تو علماء کرام یہ فتویٰ دیتے کہ وہاں کے مسلمان سال میں صرف پانچ نمازیں پڑھیں اور روزے بالکل نہ رکھیں، اگر ایسا ہوتا تو یہ شریعت کے ظاہری منشا کے خلاف ہوتا اب علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان دیگر قریبی مسلمان ممالک کے مطابق گھڑی دیکھ کر 24 گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کریں اور گھڑی دیکھ کر رمضان المبارک کے ماہ میں روزے بھی رکھیں۔ اب دیکھیں یہ صلوٰۃ جیسی عبادت کا سارا نظام سورج کی ظاہری حرکت سے کاٹ کر نظری صورت حال سے جوڑ دیا گیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں کتاباً موقوتاً کا لفظ آیا ہے اور بصری طور پر سورج نظر آتا بھی ہے 6 ماہ کے دن میں صبح کا مکروہ وقت ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا زوال کا وقت بھی ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا عصر کے بعد کا وقت بھی ہمارے تقریباً 10 دنوں کے برابر ہوگا (جس میں اس دن کی عصر کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جا سکتی) تو

گویا سورج زوال پر ہے نماز اور سجدہ منع ہے مگر آپ کئی دفعہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر ادا کر رہے ہیں علیٰ ھٰذا القیاس طلوع اور غروب کے وقت بھی۔

اگر بصری طور پر دیکھتے ہوئے بھی سورج کے زوال، غروب وطلوع کے ممنوعہ اوقات میں کئی فرض نماز ادا کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے تو چاند کی نظری حرکت کے پیش نظر پاکستان کا کیلنڈر کیوں ترتیب نہیں دیا جا سکتا حالانکہ یہ ایک قابل عمل چیز ہے (عوام کی راہنمائی کے لئے کراچی کے دو معروف دارالعلوموں کے فتاویٰ اس عنوان پر موجود ہیں)۔

سورۃ بقرہ۔رکوع 23 میں جہاں روزہ کے احکام وارد ہوئے ہیں (ماہ صیام کا آغاز اور عیدالفطر کے لئے رویت ہلال کی سب سے زیادہ اہمیت ہے کہ فیصلہ کرنے میں وقت کم ہوتا ہے) وہاں اس رکوع سے متصلاً بعد آیت ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ

(البقرۃ 189)۔

''(اے محمدؐ) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں
(کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (اوقات کے تعین)
اور حج کے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے''۔

یعنی چاند کا فی نفسہ کوئی قابل احترام شئے ہونا غلط فہمی ہے یہ تو لوگوں کے لئے وقت کی پیمائش کا ایک ذریعہ ہے اور حج (کے معلوم کرنے) کا بھی تو جیسے سال بھر کے لئے طلوع وغروب کے چارٹ مطبوعہ ملتے ہیں اسی طرح چاند سے متعلق سال بھر کا کیلنڈر بن جانا بھی کوئی خلاف عقل وفطرت بات نہیں ہے (واللہ اعلم)

انہی علاقوں میں جہاں دن اور رات کی طوالت غیر معمولی ہوتی ہے۔ چاند کی رویت بصری کا معاملہ بھی زیادہ پریشان کن ہے۔ جہاں سورج چھ ماہ نظر آتا ہے۔ وہاں چاند نظر نہیں آ سکتا ہے لہٰذا ان چھ ماہ کے دوران روزہ، حج اور قمری مہینہ کی تاریخ کے لئے آپ کو ہزار میل دور

کے کسی غیر ملک کی قمری تقویم (نظری تقویم) پر عمل کرنا ہوگا۔

اسی بات کو ایک مختلف زاویہ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

دن کئی ماہ کا ہو جائے یا رات، چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ درحقیقت بات عام حالات میں معمول کی زمینی گردش میں اپنے محور کے گرد ایک چکر مکمل کرنے کی ہے جس کو عام معروف معنیٰ میں دن (ONE DAY) یا دن رات یا 24 گھنٹے کہا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ایک حدیث میں حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا!

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لُبْثُه‘ فِی الْاَرْضِ قَالَ : اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَ يَوْمٌ كَشَهْرٍ وَ يَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرِ اَيَّامِه كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِیْ كَسَنَةٍ اَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا! اُقْدُرُوْالَه‘ قَدْرَه‘ (صحيح مسلم)

’’ہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا! چالیس دن تک، ایک دن ان میں کا ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور دوسرا ایک مہینے کے، اور تیسرا ایک ہفتہ کے اور باقی دن جیسے یہ تمہارے دن ہیں، (تو ہمارے دونوں کے حساب سے دجال ایک برس دو مہینے چودہ دن تک رہے گا)۔ اصحاب نے عرض کیا! کیا یا رسول اللہ ﷺ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس دن ہم کو ایک ہی دن کی نماز کفایت کرے گی؟ آپ نے فرمایا نہیں! تم اندازہ کر لینا اس دن میں بقدر اس کے (یعنی جتنی دیر کے بعد ان دنوں میں نماز پڑھتے ہو۔ اسی طرح اس دن بھی اٹکل کر کے پڑھ لینا‘‘)۔

اندازے سے نمازیں (اور روزے رکھنا) گویا حدیث صحیح سے ثابت ہو گیا (اور غالباً یہی بنیاد ہے علماء کے اوپر تذکرہ شدہ فتویٰ کی) اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خاص حالات کی بات ہے اور اس خاص کو عام کیسے کیا جا سکتا ہے غور طلب بات یہی ہے کہ اگر معروضی دنیا میں حالات سابقہ ڈگر پر چلتے رہتے اور طبیعات، فلکیات، تحقیق کا معیار وہی صدیوں پرانا انسانی آنکھ کا مشاہدہ ہی ہوتا تو بلا شبہ یہی فتویٰ رہتا جو قرون اولیٰ میں رہا اور صدیوں بعد تک قابل عمل رہا۔ مگر حالات،

معیار تحقیق اور وسائل تحقیق نے ترقی کر لی ہے اور اب مشاہدہ کی بنیاد ہے تو انسانی آنکھ کا مشاہدہ تا ہم دوربین اور خوردبین اور دیگر ذرائع مواصلات وائرلیس، ایکسریز، موبائل فونز اور سیٹلائٹس وغیرہ سے اب انسان عام مشاہدہ کی باریک چیز کو ایک لاکھ گنا بڑا کر کے دیکھ سکتا ہے اور کروڑوں نوری سال دور کے کسی سیارے کو قریب کر کے انسانی آنکھ کے لئے قابل مشاہدہ بنا سکتا ہے لہٰذا چاند، سورج اور دیگر اجرام فلکی کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرائی میں اور صحت اور تعین کے ساتھ کیا جا سکتا ہے صرف ظن وتخمین نہیں۔

حضرات علماء کرام اور ماہرین قرآن وحدیث کے لئے یہ بات بڑی قابل لحاظ ہے کہ ذرائع تحقیق میں اضافہ، علمی مواد کی فراوانی اور کل جہان میں بیک وقت اپنے مطالعہ کی میز پر دستیابی (انٹرنیٹ کے ذریعے) اور وسائل آمد ورفت اور اطلاعات کے طوفان نما انقلاب نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ مسلمانان عالم کو ایک بین الاقوامی امت کی طرف پیش رفت کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرنا گردوپیش کی ضرورت ہے۔

آج دنیا کو ایک عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کہا جا رہا ہے ملکوں کی حیثیت ایک لحاظ سے گاؤں کے مکانوں سے بھی زیادہ قریب کی ہوتی جاری ہے۔ دو چار کلومیٹر قریب کا واقعہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد عالمی نشریاتی اداروں سے چہار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا نے یہ ترقی کر کے انسانی وحدت اور ایک عالمی حکومت کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ غربی اقوام اور ایک ان دیکھی قوت اس کو اپنے حق میں استعمال کرنے پر گویا تلی ہوئی ہے لیکن یہ دراصل سارا انتظام حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت (قرآن مجید) کی تعلیمات کی ابدیت اور آفاقیت کے اظہار کا موقع میسر آ رہا ہے۔ اور تاریخ کا بہاؤ اور سائنسی ترقی انسانیت کو پیغمبر انقلاب اور محسن انسانیت کے لائے ہوئے نظام کے عالمی غلبے کی طرف ہانک رہی ہے اور عفت وعصمت کے ایک روحانی نظام کی طرف لے جانے کا ایک فطری اور عقلی دباؤ ہے جس کے تحت انسان اسی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے پر مجبور ہے جسے شعر کی زبان دی ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے!

ے ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰؐ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است

یا جیسے رب ذوالجلال نے خود قرآن مجید میں ایک خبر یہ انداز میں فرمایا!

سَنُرِیۡهِمۡ آیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ اَوَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ(حم السجدہ53)

''ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے''۔

گویا ایک عالمی اسلامی عوامی (جمہوری) فلاحی ریاست کا انسانی خواب اب پورا ہو کر رہے گا جو اعلیٰ انسانی اقدار کو سیاسی اور معاشی سطح پر سمو کر مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گی۔ان شاء اللہ جہاں تمام نوع انسانی بلا لحاظ رنگ و نسل و مذہب سکھ کا سانس بھی لے گی اور جہاں عدل و انصاف اور شرف انسانی کے اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کا فروغ بھی ہوگا اور یہ سب نعمتیں ہر انسان کو گھر کی دہلیز پر میسر آئیں گے۔یقیناً مبارکباد کے لائق ہیں وہ لوگ جو اس اعلیٰ نصب العین کے لئے کوشاں ہیں اور اس کو آج کے ذہنوں میں اتارنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور یقیناً ایسے لوگوں کا وجود بھی بڑا مبارک ہے جو اس راستے کے کانٹے ہی دور کرنے پر اپنا وقت لگا رہے ہیں اور آنے والوں کیلئے آسانیاں پیدا کر رہے ہیں۔درحقیقت حضرت محمد ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی شان دراصل اسی وقت ظاہر ہوگی کہ واقعی ان کا لایا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے کتنے فائدہ اور برکت کا حامل تھا اور ہے۔جو لوگ آج اس آنے والی تبدیلی کے راستے میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں کل وہ بھی اس کی حقانیت کے نہ صرف قائل ہو جائیں گے بلکہ اسی کے گن گا رہے ہوں گے۔چنانچہ ایک حدیث میں لسان رسالت، لسان حق ترجمان ﷺ سے یوں الفاظ ادا ہوئے ہیں۔

عَنُ الۡمِقۡدَادِ رضی اللہ عنہ: قَالَ! قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ! لَا یُبۡقٰی عَلٰی ظَهۡرِ الۡاَرۡضِ بَیۡتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدۡخَلَهُ اللّٰهُ کَلِمَةَ الۡاِسۡلَامِ بِعِزِّ عَزِیۡزٍ اَوۡ ذُلِّ ذَلِیۡلٍ ــــــــــ اِمَّا یَعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَیَجۡعَلُهُمۡ مِنۡ اَهۡلِهَا اَوۡ یَذِلُّهُمۡ فَیَدِیۡنُوۡنَ لَهَا قُلۡتُ فَیَکُوۡنُ الدِّیۡنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ (مسند احمد)۔

''حضرت مقداد ؓ روایت کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا! روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا۔اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمہء اسلام کو داخل نہ کردے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بد بخت کو مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ ﷻ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرما دیگا۔اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل وحامل بنا دے گا۔یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے۔(حضرت مقداد ؓ فرماتے ہیں کہ اس پر) میں نے اپنے دل میں کہا ''پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہوجائے گا''۔

اس آنے والے دور ہی کے لئے ایک بنیادی کڑی اور سفری بیگ وغیرہ کو کھولنے والی ZIP کی پہلی کڑی کی طرح کا کوئی چھوٹا سا اجتماعی عمل ہوگا جس سے عالم اسلام کے اجتماعی شعور میں ایک خوشگوار اتحاد اور یگانگت کی لہر دوڑ جائے گی اور بعد ازاں پے در پے واقعات اس منزل کی طرف بڑے بڑے اقدامات کا سبب بن کر بالآخر ساری محنت نتیجہ خیز ہوجائے گی۔

(یہ بات قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ سائنسی انکشافات نے بات یہاں تک پہنچادی ہے اور دو تین سال قبل ہمارے ہاں بھی پریس میں آ چکی ہے کہ مریخ اور زمین چند سال بعد اتنے قریب آ جائیں گے کہ ان کا اپنا اپنا کشش ثقل کا نظام ایک دوسرے سے متاثر ہو جائے گا اور مریخ چونکہ زمین سے کئی گناہ (100 گنا) بڑا ہے لہٰذا زمین کی حرکت محوری کم ہوکر ختم ہوجائے گی پھر زمین کی حرکت محوری الٹی ہوجائے گی اور زمین جب مریخ کے اثر سے آزاد ہوگی تو الٹی حرکت دوبارہ کم ہوکر ختم ہوگی اور پھر دوبارہ زمین کی صحیح سابقہ محوری حرکت کا آغاز ہوگا۔اس طرح کا واقعاتی قران تقریباً 30000 سال بعد ہوسکتا ہے لہٰذا اس طرح کا گذشتہ قران معروف تاریخ انسانی سے قبل کا ہوسکتا ہے۔واللہ اعلم اس زمین کی الٹی محوری گردش میں سورج مغرب سے طلوع ہوتا نظر آئے گا یعنی اس واقعہ میں قرب قیامت کی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی گویا شامل ہوگا)۔

اورآخری بات یہ ہے کہ رویت بصری کے بجائے رویت نظری کا اہتمام اب دور حاضر میں جدید فنی ایجادات اور INFORMATION TECNOLOGY کی ترقی کی وجہ سے ضرورت ہی نہیں امت مسلمہ کے مصالح کے تحت لازم ہے۔اور پہلے پاکستان کے لئے ایک رویت نظری پر مشتمل کیلنڈر تیار کیا۔ جانا ضروری ہے جس میں اہل علم ماہرین ہیئت وجغرافیہ اور ماہرین قرآن وسنت شامل ہوں اسلامی نظریاتی کونسل یا شریعت کونسل یا کوئی دیگر خصوصی نوتشکیل شدہ ادارہ کے تحت یہ کام کیا جاسکتا ہے اور یوں قرآن اور حدیث کے مسلمات پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی اور اسلامی تہواروں کے تعین کے لئے عالمی امت اور امت واحدہ کا تصور اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

اس مقصد کیلئے آپ غور کیجئے ایک اہتمام خالق کائنات نے پہلے سے ہی کر رکھا ہے قرآن مجید اللہ ﷻ کا کلام ہے اور اگر چہ یہ چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا تاہم یہ کلام تا قیامت انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ رہے گا اس کے الفاظ میں چودہ صدیاں قبل کے انسانوں کے لئے بھی رہنمائی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ تا قیام قیامت رہے گی اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور متکلم کی طرح زندہ و پائندہ ہونے کی وجہ سے اس کے الفاظ میں وہ معنوی گنجائش موجود ہے جو تمسک بالقرآن کے ٹھیٹھ تصور کو مجروح کئے بغیر بھی آج کے مسائل کو حل کرسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نام سے کون واقف نہیں الفوزالکبیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کے ضمن میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیئے ''اَلْاُعْتِبَارُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ '' قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کا خیال رکھا جانا چاہیئے نہ کہ سبب کے اختصاص کا۔

الفاظ کے عمومی معنی کا خیال رکھیں گے تو اسلام میں حرکت (DYNAMISM) اور اجتہاد کا فطری اور لابدی تصور اجاگر ہوگا جبکہ الفاظ کو کسی خاص پس منظر والے معنٰی میں مقید کردیں گے تو جامدیت اور تحجر کا تصور ابھرے گا اور اسلام کے دین فطرت، آفاقی دین اور ہر دور اور

ہر علاقے اور پوری انسانیت کے دین کے تصور کو اجاگر کرنے میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

اسی طرح حدیث کے الفاظ میں اگر متن کے الفاظ میں کوئی معنٰی ایسے نکلتے ہوں جو پہلے قابل عمل نہیں تھے اب لائق اعتناء اور مصالح امت کے لئے ضروری ہیں تو کئی دوسرے مواقع کی طرح رویت ہلال کے مسئلے پر اس کا اطلاق وقت کا تقاضا ہے۔

لفظ رؤیت ــــــــــــ عربی لغت میں دو معنی میں آیا ہے دیکھنا اور غور کرنا جیسے بصر اور بصیرت ظاہری آنکھ سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ اسی لئے قرآن مجید کی آیات میں مختلف جگہ مفسرین کرام نے رؤیت کے لفظ کے اپنے ذوق کے مطابق تراجم کئے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر سورۃ الفیل میں اصحاب فیل کا واقعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے فرمایا ہے!

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ o۔

''کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ''۔

یہاں لفظ ''لـــم تـــر'' رویت سے اور ''رائے'' مادہ سے آیا ہے مگر صاف ظاہر ہے یہاں مراد رویت بصری ہو ہی نہیں سکتی یہاں سوچنا، غور کرنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

☆ ایک اور مثال قرآن مجید میں فرعون کے تذکرہ میں ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں!

وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ o (الفجر 89)

''اور فرعون ''اوتاد'' والا''۔

''و تـــد'' عربی میں بڑی میخ یا PEG کو کہتے ہیں قرآن مجید میں پہاڑوں کو بھی ''وتـــد'' کہا گیا ہے۔

وَالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا o (النبا 78)

''اور پہاڑوں کو اوتاد بنایا''

ہمارے متقدمین مفسرین کرام نے ''فرعون میخوں والا'' ترجمہ کیا ہے اگرچہ فرعون پہاڑوں والے ترجمہ کرتے تو ممکن تھا مگر اس کی تطبیق کہ پہاڑوں سے مراد کیا ہے ایک لاینحل مسئلہ

ہوتا اب جبکہ عصر حاضر میں فرعون بادشاہوں کے تعمیر کردہ ''اہرام مصر'' دریافت ہو چکے ہیں جو پہاڑوں ہی کی طرح بڑے بڑے ہیں اور 1902ء میں انہیں اہراموں میں سے فرعون موسیٰؑ کی لاش بھی برآمد ہو چکی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

غور فرمائیں! قرآن مجید پہاڑوں کو ''اوتاد'' کہتا ہے اور فرعون کو ''ذی الاوتاد'' کہتا ہے تو دو باتوں کو ملانے سے منطقی نتیجہ ہے ''فرعون پہاڑوں والے'' یعنی وہ فراعنہ مصر جنہوں نے پہاڑوں جیسے اہرام اور مقبرے بنا دیئے تھے۔

آج یہ ترجمہ ممکن ہے کہ علوم عصری میں یہ بات واضح ہو چکی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے اگر چہ 1902ء سے قبل وہی ترجمہ ممکن تھا جو ہوا یہ ہمارے علوم عصری کی نارسائی تھی ورنہ قرآن مجید کے الفاظ میں، رب العالمین کے کلام میں تو یہی حقیقت جھلک رہی تھی جو آج عیاں ہو کر سامنے آ گئی ہے۔

کلام الٰہی میں بڑی بڑی حقیقتوں کا سادہ اور چودہ صدیاں قبل مروجہ الفاظ میں بیان اسی ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شایان شان ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

اسی لفظ ''رأی'' پر غور فرمایئے اس میں یہ گنجائش فاطر فطرت اور خالق ارض و سماء نے رکھی ہے کہ رویت بصری اور رویت نظری کے معنی لئے جا سکتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام اور ماہرین قرآن و سنت اس پر غور فرمائیں ۔ ہمارا کام تو جرات کر کے توجہ دلا دینا ہے فیصلہ تو اہل علم ہی کر سکتے ہیں کہ پاکستان بھر کے لئے (یا ہر مسلم ملک کیلئے) ایک کیلنڈر رویت نظری کی بنیاد پر ترتیب دیا جائے اگر یہ مرحلہ بآسانی طے ہو جائے تو خود علماء کرام محسوس فرمائیں گے کہ بنگلہ دیش سے لیکر سعودی عرب کے ممالک تک تقریباً ایک ہی کیلنڈر سامنے آئے گا اور پوری دنیا کی سطح پر امت میں اتحاد و یگانگت کی راہ نکل جائے گی اور کیا عجب کہ یہی اتحاد و یک رنگی امت مرحومہ لئے مستقبل میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور فکری ہم آہنگی کی صورت اختیار کر لے۔

اور یوں

ے ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے۔

اور ——————— یہ خواب یقیناً حقیقت بن کر رہے گا یہی مقصود فطرت اور منشاء ایزدی ہے۔

ے آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

ے شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ ءِ توحید سے

ان دنوں کراچی میں رویت ہلال کے بارے میں سائنسی انداز میں کام ہو رہا ہے لہٰذا اگر تجرباتی طور پر سال بھر کا قمری کیلنڈر جاری کر دیا جائے اور اہل بصیرت اور اہل نظر اس پر گہری نگاہ رکھیں اور عملی طور پر رویت ہلال کے ساتھ ملا کر دیکھتے رہیں اور میری ناقص رائے میں تین چار سال کے اندر بہت سارے عملی مسائل کی نشاندہی ہو جائے گی اور باہمی مشاورت اور غور فکر سے ان کوتاہیوں کو دور کرے۔ ایک قابل عمل قمری کیلنڈر جاری ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی اگر ہمارے پڑوسی ممالک میں ہو جائے تو جلد یا بدیر یہ ہمارے لئے فکری اتحاد کی بنیاد بن سکتا ہے۔

آپ ''محسود'' ہیں یا ''حاسد''

فرمان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں

انجینئر مختار فاروقی

اخبارات کے ذریعے مجھے معلوم ہوا ہے اور آپ بھی یقیناً جانتے ہوں گے کہ ہمارے صوبہ سرحد میں اور شمالی وزیرستان میں ایک قبیلہ آباد ہے جس کا نام 'محسودی قبیلہ' ہے ان کی بہادری کی داستانیں اور واقعات زبان زدِ عام ہیں تاہم قطع نظر اس سے کہ اس قبیلہ کے افراد کیا کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ 'محسودی' کہتے کسے ہیں اور اس کے معنی کیا ہیں؟۔

عربی میں سہ حرفی مادہ حَسَدَ یَحْسُدُ سے اسم فاعل حَاسِدٌ ہے اور اسم مفعول محسود ہے، حاسد کے معنی حسد کرنے والا چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ الفلق میں ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بہت سے شرور سے پناہ مانگو جن میں سے ایک ''وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور اس شر سے جب کہ حسد کرنے والا حسد کرتا ہے'' اس لئے کہ اس میں بھی شر کا پہلو

موجود ہے۔

حسد کرنا لغت کے اعتبار سے (جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں ہے) کسی انسان میں کسی بہت نمایاں خوبی پر اس انداز میں سوچنا کہ یہ خوبی اس سے چھن جائے اور مجھے نصیب ہو جائے حالانکہ یہ سب کچھ ہوتا تو اللہ ﷻ کی مرضی اور اذن سے ہے اور دنیا میں میدان کھلا ہے مواقع موجود ہیں۔ ہر شخص کوشش کرے محنت کرے اور مطلوبہ چیز کو حاصل کر لے۔ انسان اگر کوشش کے بغیر کسی نعمت کو حاصل کرنے کا متمنی ہو اور ساتھ دوسرے انسان سے اس نعمت کے چھن جانے اور اس کو اپنے مقابلے میں (اس صفت کے نقطہ نظر سے) زیر کرنے کا جذبہ بھی ہو تو یہ حسد کہلاتا ہے۔ جب کسی انسان کی کسی خوبی کو دیکھ کر صرف یہ جذبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا اعلیٰ شان اور خوبی (از قسم بہادری، خوبصورتی، خدمت خلق، دینی غیرت وغیرہ وغیرہ) اس انسان کو عطا فرمائی ہے اللہ ﷻ مجھے بھی ایسی ہی خوبی عطا فرمائے اس کے خزانے میں تو کوئی کمی نہیں ہے تو یہ کیفیت 'رشک' کرنا کہلاتا ہے۔ رشک اور حسد میں باریک سا یہی فرق ہے کہ حسد میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ خوبی دوسرے فریق سے بالکل چھن جائے یا اللہ ﷻ مجھے یہ خوبی اتنی دے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے فریق کے پاس اسی خوبی کی کیفیت اور مقدار ہیچ ہو جائے تو یہ حسد کہلاتا ہے؛ مثلاً اگر کوئی شخص سخی ہے تو اللہ ﷻ مجھے بھی مال دے اور مجھے اس سے زیادہ سخی بنا دے کہ اس کی سخاوت بالکل حقیر معلوم ہو، کوئی بہادر ہے تو یہ خیال کرنا کہ اللہ ﷻ مجھے بھی شجاعت اور بہادری کا وصف دے کہ میں اس وصف میں اس سے کہیں آگے نکل جاؤں اور اس کی بہادری میری بہادری کے مقابلے میں قابل تذکرہ نہ رہے۔

ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے عربی زبان کی ان باریکیوں پر گہری نظر کے باوصف' اوپر تذکرہ شدہ دوسرے مفہوم میں یا مطلق 'حسد' کے مفہوم میں دو استثناءات کا ذکر فرمایا ہے اور حضرات انبیاء اکرام علیہم چونکہ براہِ راست اللہ ﷻ کی ''وحی اور ہدایت'' کے زیر اثر وقت گزارتے ہیں لہٰذا زبان و ادب کی باریکیاں اور لطافتیں ان سے فیض پاتی ہیں۔ کلام خداوندی ہو یا کلام نبوی ﷺ ــــــــــــ اس میں الفاظ کی بناوٹ اور بندش، مجاز و حقیقت، استعارہ و

تمثیل، ایجاز وسلاست دوسروں کے لئے نمونہ اور سند کا درجہ پاتے ہیں یا جیسے غالب نے تو اپنے بارے میں تعلّی کے انداز میں کہا ہے کہ

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھو
جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

مگر یہ ''گنجینہ معنی کا طلسم ہونا'' کلام الٰہی اور کلام نبوی ﷺ کے بارے میں ایک بنیادی حقیقت ہے چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے عربی لغت کے کئی الفاظ کو نئی معنوی جہت دے کر ان کے معانی کو جلا بخشی ہے اور ان کے استعمالات میں ندرت پیدا فرمائی ہے اور فنی اور اصطلاحی اعتبار سے نئی جہتیں بخشی ہیں اور جہاں ضرورت داعی ہو وہاں قرآن مجید کے کسی عموم پر کوئی استثناء قائم کر دینا یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے فرائض منصبی میں شامل تھا مثلاً قرآن پاک میں رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ دوسرے کئی قسم کے روزوں کا ذکر ہے جیسے کفارے کے روزے وغیرہ اور احادیث میں ایامِ بیض کے روزے مذکور ہیں تاہم قرآن مجید میں عموم ہے کہ یہ روزے کسی بھی دن رکھے جا سکتے ہیں مگر نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ 'عید' کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے گویا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چار دنوں میں روزہ 'حرام' قرار دے دیا گیا اور امت کا اس پر میری معلومات کے مطابق اجماع ہے بعینہٖ اسی طرح 'حسد' کی ممانعت ہونے کے باوجود ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اس میں دو استثناءات (EXCEPTIONS) قائم فرما دیئے کہ یہ دو قسم کے حسد گویا ممنوع نہیں ہیں۔

جس فرمان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ بعد میں آ رہا ہے وہ کئی طرق سے مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بخاری، مسلم، نسائی کبریٰ، ابن ماجہ میں آئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں ہے، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

قال النبی ﷺ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِیْ اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ یَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ یُنْفِقُهٗ

آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ۔

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حسد دو شخصوں کے علاوہ کسی سے نہیں ہے (ایک) وہ شخص جسے اللہ ﷻ نے قرآن عطا کیا ہو پھر وہ اس کے ساتھ دن رات قیام کرتا ہو اور (دوسرے) وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کو دن رات خرچ کرتا ہو''۔

لَا حَسَدَ إِلَّا فِی اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (مسلم)

ترجمہ: ''حسد دو شخصوں کے علاوہ کسی سے نہیں ہے (ایک) وہ شخص جسے اللہ ﷻ نے مال دیا پھر اس کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی قدرت دی اور (دوسرے) وہ شخص جسے اللہ ﷻ نے حکمت عطا کی اور وہ اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں الفاظ ہیں۔

لَا حَسَدَ إِلَّا فِی اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهٗ جَارٌ لَّهٗ فَقَالَ لَيْتَنِیْ أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِیَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يَهْلِكُهٗ فِی الْحَقِّ فَقَالَ رَجُلٌ لَيْتَنِیْ أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِیَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مَثْلَ مَا يَعْمَلُ (بخاری)

ترجمہ: ''حسد دو آدمیوں کے سوا کسی میں جائز نہیں ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا ہے اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا ہے، اس کا پڑوسی اس کو سن کر دل میں کہتا ہے، کاش مجھے بھی اس طرح پڑھنا نصیب ہوتا تو میں بھی اس طرح عمل کرتا۔ اور دوسرے اس شخص پر جسے اللہ ﷻ نے مال و دولت دی ہے اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے۔ پھر کوئی کہے کہ کاش مجھے بھی مال میسر آتا تو میں بھی اسے اسی طرح خرچ کرتا''۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

قَوْلُهٗ ﷺ(لَا حَسَدَ إِلَّا فِی اثْنتین) قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَسَدُ قِسْمَانِ حَقِیْقِیٌّ وَمَجَازِیٌّ فَالْحَقِیْقِیُّ تَمَنِّیْ زَوَالِ النِّعْمَةِ عَنْ صَاحِبِهَا وَهٰذَا حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ مَعَ النُّصُوْصِ الصَّحِیْحَةِ وَأَمَّا الْمَجَازِیُّ فَهُوَ الْغِبْطَةُ وَهُوَ أَنْ یَتَمَنّٰی مِثْلَ النِّعْمَةِ الَّتِیْ عَلٰی غَیْرِهٖ مِنْ غَیْرِ زَوَالِها عن صاحبها فَإِنْ کَانَتْ مِنْ أُمُوْرِ الدُّنْیَا کَانَتْ مُبَاحَةً وَإِنْ کَانَتْ طَاعَةً فَهِیَ مُسْتَحَبَّةٌ وَالْمُرَادُ بِالْحَدِیْثِ لَا غِبْطَةَ مَحْبُوْبَةَ إِلَّا فِیْ هَاتَیْنِ الْخَصْلَتَیْنِ وَمَا فِیْ مَعْنَاهُمَا(ص97ج6)

ترجمہ:''علماء نے فرمایا ہے کہ حسد کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی: حسد حقیقی یہ ہے کہ کسی صاحب نعمت شخص سے اس کی نعمت زائل ہونے کی تمنا کرنا۔ اور یہ امت کے اجماع اور نصوص صحیحہ کی وجہ سے حرام ہے۔ حسد مجازی 'رشک' ہے کہ کسی صاحبِ نعمت کو دیکھ کر اس سے نعمت کے زائل ہوئے بغیر اس جیسی نعمت حاصل ہو جانے کی تمنا کرنا۔ پھر اگر وہ نعمت دنیاوی امور سے ہے تو یہ رشک مباح ہے اور اگر کوئی طاعت ہے تو مستحب ہے اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ رشک پسندیدہ نہیں ہے سوائے ان دو خصلتوں میں اور جو ان کے ہم معنیٰ ہیں''

ایک روایت میں اس مسئلے میں 'حسد' کی وضاحت کرتے ہوئے ''تنافس'' کا لفظ بھی آیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ واقعتاً مسلمان کے لئے کسی دوسرے انسان (مسلم یا غیر مسلم) کے بارے میں کسی بھی وصف یا عطا پر حسد کرنا دراصل خدائی نظام اور 'ربوبیت' کے رحمانی فیصلوں میں مداخلت کے مترادف ہے لیکن دو وصف ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں شدید 'رشک' جس پر 'حسد' کا لفظ بولا جا سکے یا گمان ہونے لگے بھی صحیح ہے اس لئے کہ اس میں اس شخص کی کوئی دنیاوی غرض اور لالچ کا عنصر نہیں ہو سکتا ہے محض دین کا ایسا عمل بھی مقبولیت کا درجہ حاصل کر لے گا۔

اس کی ایک مثال قرآن مجید کی سورۃ حدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے بارے میں آئی ہے کہ ''انہوں نے 'رہبانیت' کی 'بدعت جاری کر لی حالانکہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے اس کو فرض نہیں کیا تھا مقصد چونکہ صرف رضائے الٰہی تھا لہٰذا جنہوں نے خلوص سے اس عہد کو نبھایا

ہم ان کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے'' گویا 'بدعت' کا اطلاق ایسے امور پر نہیں ہوگا۔

اسی طرح کی ایک مثال سیرۃ النبی ﷺ میں غزوۂ بدر کے موقع پر ایک واقعہ سے ملتی ہے، غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے لشکر میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکنے کے لئے آپ نے لشکر کے سامنے ایک شاندار تلوار لہرائی اور فرمایا کہ کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا کئی نامور لوگ آگے بڑھے مگر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک برمحل سوال کر دیا کہ یارسول اللہ اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے دشمن کے چہرے کو مارو حتیٰ کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انہوں نے کہا تو پھر میں اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے تلوار انہیں دے دی اس پر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ

دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے تھے کہ نمایاں طور پر اکڑ کر چل رہے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ 'ایسی چال' اللہ ﷻ کو پسند نہیں (قرآن مجید کی واضح آیت ہے) تاہم آج کے دن نہیں (اس قسم کے مواقع پر جس میں کوئی نفسانی غرض نہ ہو) گویا تکبر اور 'کبر' کی علامت اکڑ کر چلنا بھی مخصوص حالات اور پس منظر میں 'جواز' کے زمرے میں آجاتا ہے گویا دو باتوں پر شدید رشک جس پر 'حسد' کا گمان ہو جائے اور 'حسد مجازی' کہہ لیں نتیجہ ایک ہی ہے کہ اس پر لفظ 'حسد' بولا جا سکتا ہے۔ اور وہ دو شاندار مواقع کیا ہیں؟ فھو ھذا۔

1۔ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ 2۔ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً

1۔ پہلا وصف قرآن مجید کا شغف رکھنے والا انسان ''اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ'' کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں قرآن مجید میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرۃ:121)

ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ اس کو ایسا پڑھتے ہیں جیسا اس کو پڑھنے کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان لانے والے ہیں''

'اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ' کے الفاظ قرآن مجید کی اوپر درج شدہ آیت کی روشنی میں بڑے معنی خیز ہیں مفہوم یہ ہے کہ وہ آدمی جسے اللہ قرآن پاک عطا کر دیں ——— مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کا احساس دل میں جاگزیں ہو جائے دل پر نقش ہو جائے، عقل و شعور میں اللہ کی کتاب کے 'منزل من اللہ' ہونے وحی ہونے اور اللہ کا کلام ہونے کی عظمت کا احساس ہو جائے پھر اس کتاب سے اپنی ذمہ داریوں کا فہم و ادراک اور ان کی ادائیگی کے سلسلے میں دلی

خواہش اور جذبے کی بیداری اس عطائے خداوندی کا جزو لاینفک ہے۔ایسا شخص رات دن قرآن سیکھ رہا ہے راتوں کو تہجد میں پڑھ رہا ہے عمل کر رہا ہے اس 'ذکر اللہ' سے اس کے دل کو اطمینان میسر ہے ایسے شخص کو آپ 'حسد' کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔

ایسے حامل قرآن اور مجسم قرآن شخص کے بارے علامہ اقبال کے چند اشعار زیادہ پرکشش تصویر کھینچ دیں گے۔ ؎

نور قرآن درمیانِ سینہ اش　　جام جم شرمندہ از آئینہ اش

''قرآن کا نور اس کے سینے میں (جاگزیں) ہے اور اب (جمشید بادشاہ کا) جم بھی اس کے آئینہ (دل) کے سامنے بے وقعت ہے''۔

قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

شوکت سنجرؒ وسلیمؒ تیرے جلال کی نمود　　فقر جنیدؒ وبایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم　　تا کجا در حجرہا باشی مقیم

در جہاں اسرار دیں را فاش کن　　نکتہ ءِ شرع مبین را فاش کن

'اے مسلمان کہ تو قرآن عظیم کے حامل ہونے پر نازاں ہیں تو کب تک حجروں اور مدرسوں کی خلوتوں میں مشغول رہے گا۔اٹھو! اور اس کتاب کے اسرار اور دین حق کے تقاضے انسانیت کے سامنے اپنی زبان اور عمل اور کردار سے پیش کرو یعنی شرح پیغمبر ﷺ کی برکات اور انسانیت کے لئے رحمۃ العالمینی (یعنی عدل اجتماعی) کی تفسیر پیش کرو۔

گر دلم آئینہ بے جوہر است　　ور بحرفم غیر قرآن مضمر است

روز محشر خوار و رسوا کن مرا　　بے نصیب از بوسہ ءِ پا کن مرا

''اے اللہ! اگر میرا آئینہ دل بے صلاحیت ہے اور میرے اشعار و کلام میں

سوائے قرآن کے کوئی اور بھی لفظ شامل ہے تو پھر روز قیامت مجھے خوار اور ذلیل کر دینا اور حضرت محمد ﷺ کی پابوسی کی سعادت سے محروم کر دینا۔

ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود　　نور حق از سینہ ءِ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام　　دانش وتہذیب ودیں سودائے خام

قرآن مجید کے حامل ہونے سے سود کی شناعت بھی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے اور یہ بنوک (بینک کی جمع) جو یہود کی عیار اور مطلب پرست وزر پرست فکر کا مظہر ہیں اور سود کی علامت ہیں انسان کے دل سے نور حق اور نور فطرت ختم کر دیتے ہیں اے قرآن کے ماننے والے جب تک تو اٹھ کر اس مغربی سودی بنکاری کے نظام کو (جس کی جڑیں بڑی گہری ہے اٹھا کر سمندر میں نہیں پھینک دیتا اس وقت تک دین اسلام کی بنیادیں متزلزل رہیں گی اور انسانیت اس خیر و برکت اور خدا شناس وخدا پرستی سے نا آشنا ہی رہے گی''۔

چوں مسلماناں اگر داری جگر　　در ضمیر خویش و در قرآنگر
صد جہانِ تازہ در آیات اوست　　عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

''اگر سچے مسلمان ہو تو اپنے دل کی آواز اور قرآن کے معنی پر غور کرو پھر تمہیں آج کے نامساعد حالات میں کام کرنے کا جذبہ ملے گا اور چلنے کے لئے راستہ نظر آئے گا قرآن میں تو آج کے حالات کی طرح سینکڑوں ایسے مواقع کی رہنمائی موجود ہے''

بندہ مومن ز آیاتِ خدا است　　دو جہاں اندر براو چوں قبا ست
چوں کہن گردد جہانے در برش　　می دہد قرآں جہانے دیگرش

قرآن پر ایمان رکھنے والا اللہ کی آیات میں سے ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے اور تدبر قرآن اور تذکیر بالقرآن کے باعث اس کی سادگی وخاموشی کے پیچھے ہر دور کی ظلمتوں کو پارہ پارہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے یہی اہل قرآن زوال

پذیر معاشروں سے انسان اکٹھے کر جیتے جاگتے مجاہد اور اسلام کے حق وانصاف کے علمبردار گروہ کھڑے کر دیتے ہیں

من شنیدستم ز نبّاضِ حیات — اختلافِ تست مقراضِ حیات
از یک آئینی زندہ است — پیکر ملّت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حَبلُ اللّٰہ اوست

میں نے انسانی فطرت کا ہر شناسا جانتا ہے کہ اے مسلمانوں تمہارا باہمی اختلاف وتفرقہ بازی ملت اسلامیہ کو بکھیرنے والی چیز ہے اور یکجہتی اور جسد واحد کے تصور کو پامال کرنے والی ہے۔ مسلمان تو مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگوں کا مجموعہ ہونے کی بنا پر صرف قرآن مجید کی یکسانیت۔ کی وجہ سے باہم جڑے ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ روئے ارضی کے تمام انسانوں کو جوڑنے والی یہی کتاب ہے یہی مضبوط خدائی رسی ہے''۔

2۔رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا

دوسرا خوش نصیب شخص وہ ہے جسے اللہ ﷻ نے خوب مال دیا ہے اور اس کے ساتھ اس کو ہدایت دی ہے دین کے بنیادی تقاضے اور حلال وحرام کے پورے اصول اس پر واضح ہیں اور ان کی روشنی میں محنت کر کے کمار ہا ہے اور اللہ ﷻ نے اس کے پاس مال کو جمع کر دیا ہے جیسے جماعت صحابہ رضوان اللہ اجمعین میں اغنیائے صحابہ ﷺ تھے۔ ایسا شخص دین کے مطابق کما بھی رہا ہے۔ 'صاحب مال' اور 'صاحب ثروت' لوگوں کی عمومی خرابیوں سے پاک ہے حدیث کے مطابق ''مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَه '' والا سوال بھی اسے پوری طرح یاد ہے اس کی تیاری کر رہا ہے اور ''مِنْ اَیْنَ اَنْفَقَه '' والا سوال بھی اسے سامنے نوشتہ دیوار محسوس ہوتا ہے اس کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اور پوری تیاری میں لگا ہوا ہے اور عرش کے سائے میں سات افراد کے جگہ پانے والی حدیث کی تفصیل بھی اس کی نگاہ میں ہے کہ دایاں ہاتھ خرچ کرے تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے اور قرآن کی رہنمائی کہ !لَاتُبْطِلُوْاصَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرۃ-264) ترجمہ: ''اپنے صدقات (وخیرات) برباد نہ کرو احسان جتا کر اور ایذا دے کر''

بھی ذہن نشین رہتی ہے۔ ایسے کردار کا 'صاحبِ مال' انسان کیوں قابل رشک نہ ہو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اَلتَّاجِرُ الصُّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (سنن دارقطنی عن ابی سعید رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا''

صدیقیت کے اعلیٰ مقام پر فائز انسان واقعی مثالی انسان اور قابل تقلید ہے کہ وہ معیت انبیاء علیہم السلام میں ہوگا دین کے مطالبات اور دین کی ضروریات اور بالخصوص غلبۂ دین اور قرآن کی تعلیمات کے عام کرنے میں خرچ کرنا بہت اعلیٰ اوصاف ہیں اور جو شخص ایسے اوصاف سے متصف ہے وہ قابل 'حسد' ہے۔

ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے ایک اور فرمان حق ترجمان میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید سے تعلق کے حوالے سے تین ہی درجے ممکن ہیں۔

اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا وَلَا تَكُنِ الرَّابِعَ فَتَهْلِكَ

(دارمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''یا عالم بن جاؤ یا طالب علم بن جاؤ یا سامع بن جاؤ چوتھے نہ ہونا کہیں ہلاک ہو جاؤ''

اسی طرح اس زیر بحث حدیث میں تین ہی قسم کے مسلمان ممکن ہیں۔

(i) ایسا شخص کہ ابھی تک اس کو قرآن مجید کی حقیقی قدر و منزلت اور اسلامی انداز میں مال کما کر خرچ کرنے کے بارے میں اس حدیث کا علم ہی نہیں ہے۔

(ii) وہ شخص جو اس حدیث سے کچھ عرصہ قبل ہی واقف ہوا ہے اور وہ یہاں کسی ایسے خوش نصیب 'قرآن مجید' کے قدر دان اور حقیقی مسلمان مالدار کو دیکھتا ہے وہ اس پر 'حسد' کرتا ہے۔

(iii) ایسا شخص جس کو اللہ ﷻ نے خود دعاؤں کے نتیجے میں اور خلوص و اخلاص کے عوض اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اب خود ہی ع ''جاناں جاناں کہتے کہتے خود ہی جاناں ہو

گئے'' کے مصداق اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ قرآن سے گہرا رشتہ جوڑ کر اس زمرے میں شامل ہو جائے یا صاحب مال ہونے کی وجہ سے دوسرے زمرے میں شامل ہو چکا ہے اور اب ''حاسد'' کی جگہ ''محسود'' بن چکا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ میں اور آپ سوچیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں آپ اب اس حدیث سے متعلق معلومات حاصل کر کے دوسرے اور تیسرے زمرے کے لوگوں میں کہاں کھڑے ہیں اور کہاں ٹھکانہ کرنا چاہتے ہیں یہ فیصلہ آپ کے ناتواں دل اور ہاتھوں میں ہے۔

ع یا چناں کن یا چنیں۔

ہم خیال لوگوں کو آج کل گروپ کہتے ہیں طبقہ یا زمر بھی کہتے ہیں، سرائیکی میں سنگت اور 'قبیلہ' بھی کہتے ہیں، خوش نصیبی کی بات ہوگی اگر آپ کا تعلق اوپر درج فرمان رسالت ﷺ کی روشنی میں دو میں سے کسی ایک وصف پر 'محسود' کا درجہ حاصل ہو جائے اگر ایسا ہو جائے تو

ع یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

بہت کم لوگ ہوتے ہیں کہ وہ جہاں سے گزریں دوسرے انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ جیسا بننے کی خواہش رکھیں۔۔۔۔۔۔۔۔آیئے قرآن فہمی اور اس پر عمل یا قال کے حصول اور اس کے خرچ کے بارے میں ہم ایسے ہو جائیں کہ لوگ ہمیں رشک کی نگاہ سے دیکھیں اس کے لئے ایک جذبہ اور دوسرے دعا کی ضرورت ہے۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قرآن اکیڈمی ملتان میں خطابات کا سلسلہ

ساتواں خطاب

وطن ہمارا

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

قرآن اکیڈمی ملتان کے زیر اہتمام سلسلہ وار خطابات کا پروگرام ماہ مارچ 07ء میں منعقد ہوا تھا جس کی ترتیب یہ تھی۔

18 مارچ	رب ہمارا	ڈاکٹر عبدالسمیع	(قرآن اکیڈمی فیصل آباد)
19 مارچ	رسول ہمارا	چوہدری رحمت اللہ بٹر	(ناظم شعبہ دعوت و تربیت تنظیم اسلامی)
20 مارچ	قرآن ہمارا	انجینئر مختار فاروقی	(قرآن اکیڈمی جھنگ)
21 مارچ	منزل ہماری	شیخ شجاع الدین	(قرآن اکیڈمی کراچی)
22 مارچ	عزم ہمارا	خالد عباسی	(ناظم حلقہ شمالی پنجاب و کشمیر)

23مارچ راستہ ہمارا حافظ عاکف سعید (امیر تنظیم اسلامی پاکستان)

24مارچ وطن ہمارا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی تنظیم اسلامی پاکستان)

اس سلسلے کو حکمت بالغہ کے قارئین تک پہنچانے کے لئے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا چنانچہ اس سلسلے کے پہلے چھ خطابات گزشتہ شماروں میں ترتیب وار شائع ہو چکے ہیں اسی سلسلے کا ساتواں خطاب ''وطن ہمارا'' شائع کیا جارہا ہے مقرر تھے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی تنظیم اسلامی پاکستان) خصوصی بات یہ ہے کہ ساتواں اور آخری خطاب قرآن اکیڈمی ملتان میں نہیں بلکہ ضلع کونسل ہال ملتان میں منعقد ہوا تھا۔

یاد رہے کہ یہ خطابات آڈیو ٹیپ سے اتار کر شائع کئے جارہے ہیں انداز تحریر کی بجائے تقریر کا ہی نمایاں ہے۔(ادارہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد:

فقد قال الله تبارك وتعالی کما ورد فی سورة الانفال

اَعُوْذ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الانفال۔26)

وقال عزوجل حاکیا عن موسیٰ علیہ السلام کما ورد فی سورة الاعراف

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف۔129)

A @ ?

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَلٰھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ

وَاَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔اَللّٰھُم وَفِّقْنَالِمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی وَتَقَبَّلْ مِنَّا فَاِنَّكَ خَیْرُالْمُتَقَبِّلِیْنَ (آمین یارب العالمین)

معزز حاضرین اور محترم خواتین!

میرا اب تک جو ہمیشہ خطابات کا موضوع رہا ہے وہ خالص دینی اور قرآنی ہے اور اس میں دعوت کا رنگ ہے لیکن آج میری گفتگو ذرا مختلف موضوع پر ہے۔ یہ ملک جس میں ہم رہ رہے ہیں جسے اب کہا گیا ہے ''وطن ہمارا'' اس کا پس منظر کیا ہے یہ کیسے وجود میں آیا کیسی شدید کشاکش کے بعد قائم ہوا آیا اس کا کوئی نظریہ تھا یا نہیں؟ نظریہ تھا تو کیا؟ اور اب وہ نظریہ کہاں ہے اور اگر نظریے سے انحراف ہو چکا ہے تو اس کے وجود تک کو شدید خطرہ لاحق ہے اس اعتبار سے میری آج کی گفتگو کا موضوع دین سے بھی متعلق ہے اور وہ بات سامنے آجائے گی لیکن آپ کی دنیا سے بھی متعلق ہے۔ جیسے ایک بڑے جہاز کے اندر کئی ہزار افراد سوار ہوں خدانخواستہ اگر وہ جہاز ڈوبے تو جتنے لوگ سوار ہیں وہ سارے ہی ڈوبیں گے اگر اس ملک کے ساتھ کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے اس سے ہم سب متاثر ہوں گے اس لئے ذرا سنجیدگی سے ان مسائل پر آج غور کیجئے تھوڑا وقت لگے گا اور اپنی توجہ کو میری جانب مرکوز رکھیے اس لئے کہ کچھ تاریخی تجزیہ بھی سامنے آئے گا اور کچھ سیاسی تجزیہ بھی سامنے آئے گا۔ دیکھئے میں اس کا آغاز کرنا چاہتا ہوں اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے۔ اس وقت ایک عظیم تبدیلی اس ہندوستان میں آئی، کچھ عرصہ قبل انگریز یہاں آئے تھے تاجروں کی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر لیکن اس وقت انہوں نے طے کیا کہ اب وہ اس وقت اس ملک کو فتح کریں اور سلطنت برطانیہ میں داخل کریں اس وقت ہندوستان کی حالت کیا تھی کوئی مرکزی مضبوط حکومت موجود نہیں تھی لال قلعہ دہلی میں مغل بادشاہ تھا لیکن ہوتے ہوتے اس کی حیثیت یہ ہوگئی تھی کہ دہلی میں یہ محاورہ بولا جاتا تھا کہ ''سلطنت شاہ عالم از لال قلعہ تا پالم'' پالم ایک گاؤں تھا دہلی سے کوئی تیرہ چودہ میل دور گڑگاویں کی طرف وہیں پر دلّی کی پہلی ایئر پورٹ بنی تھی جسے پالم ایئر پورٹ کہتے تھے تو مغلیہ سلطنت صرف یہی رہ گئی تھی باقی پورا ہندوستان منقسم تھا چھوٹی چھوٹی حکومتیں جنہیں ہم کہتے ہیں طوائف الملوکی، ان میں ہندو راجے بھی تھے ان کی بھی حکومتیں تھیں اور مرہٹے بھی تھے ان کی بھی حکومتیں تھیں لیکن ابھی ظاہر بات ہے کہ پلڑا

مسلمانوں کا ہی بھاری تھا اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی اکثریت مسلمانوں کے پاس تھی۔اس اعتبار سے اس وقت ہندو مسلم مسئلہ میں پلڑا مسلمانوں کا ہی بھاری تھا وہ بات تو نہیں رہی تھی جو حکومت مسلمانوں کی ہوتی تھی پورے ہندوستان پر لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمانوں کا پلڑا ہندوؤں پر بھاری تھا لیکن اس کے بعد 1857ء میں جب مسلمانوں اور ہندوؤں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خلاف مشترک بغاوت کی' جسے پہلے غدر کہا جاتا تھا اب اسے جنگ آزادی کہا جاتا ہے' وہ جنگ آزادی یا غدر جب ناکام ہوگیا تو اس کا ایک نتیجہ نکلا کہ جو تاج برطانیہ تھا اس نے یہاں کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر ہندوستان کو براہ راست تاج برطانیہ کے تحت کر دیا اور ایک دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ہندوستانیوں (مسلمان بھی ہندو بھی) سے کہا کہ!

WILL YOU BE GOVERNED BY SWORD OR PEN

اے ہندوستانیو! طے کرلو تم تلوار کی حکومت چاہتے ہو یا قلم کی حکومت چاہتے ہو اگر تو تم بغاوتیں کروگے یا شورشیں برپا کروگے تو ہم تلوار سے تمہیں تہس نہس کر دیں گے جیسے 1857ء کی بغاوت کو ہم نے ختم کیا ہے اور ہزاروں لوگوں کو پھر پھانسی پر چڑھایا ہے گولیوں سے ختم کیا ہے یہی چاہتے ہو یا قلم کی حکومت چاہتے ہو؟ جسے بعد میں کہا گیا RULE OF LAW کہ قانون ہو دستور ہو اس کے مطابق حکومت ہو کیا چاہتے ہو بولو!۔اب ظاہر بات ہے کہ تلوار کی حکومت کسی کو بھی پسند نہیں تھی اور ایک دفعہ یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ تلوار کی کوشش بری طرح ناکام ہوگئی ہے تو اب جو صورتحال پیدا ہوئی جب قلم کی حکومت شروع ہوئی اور RULE OF LAW جب شروع ہوا تو اب گنتی کا معاملہ فیصلہ کن ہوگیا ایک اعتبار سے ہندو مسلمان برابر ہوگئے وہ بھی انگریز کے غلام اور ہم بھی غلام۔اگر معاملہ تلوار کا رہتا تو اب بھی مسلمان کا پلڑا بھاری رہتا اب تلوار تو نیام میں گئی اب تو تعداد کا معاملہ ہے جس کی تعداد زیادہ ہے اس کی حیثیت زیادہ ہے اس کے حقوق زیادہ ہیں اس کا اختیار زیادہ ہے اور اس کو غلبہ زیادہ حاصل ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلی مرتبہ تقریباً ایک ہزار سال کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے دل میں خوف پیدا ہوا ہندو اکثریت کا کہ ہندو اکثریت ہمیں دبالے گی ہندو اکثریت ہمیں EXPLOIT کرے گی ہندو اکثریت ہم سے اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام لے گی ایک خوف کے جذبات مسلمانوں میں پیدا ہوئے اسلئے کہ اب فیصلہ تو ہو رہا ہے گنتی

کے اوپر اب تلوار کا معاملہ تو ہے نہیں اب اس میں اضافہ ہوا ایک اور بات سے کہ انگریزوں کے ساتھ معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے رویّے میں فرق تھا ہندوؤں کا معاملہ کیا تھا؟ ذرا غور کیجیے یہ باتیں بہت اہم ہیں آپ کو INSIGHT دیں گی اپنی پچھلی تاریخ کے اندر ایک بصیرت حاصل ہوگی کہ کیا ہوا کیوں ہوا؟ ہندو پہلے بھی غلام تھا اب بھی غلام ہے اسے تو کوئی خاص صدمہ نہیں ہوا پہلے مسلمانوں کا غلام تھا اب انگریز کا غلام ہو گیا اس کا STATUS تو جوں کا توں رہا مسلمان حاکم تھے غلام بنائے گئے زمین اور آسمان کا فرق ہو گیا تخت حکومت سے اتار کر زمین پر بٹھا دیئے گئے نتیجہ کیا نکلا مسلمانوں میں یقیناً بغاوت کے جراثیم تھے مسلمانوں کو یاد آ رہا تھا کہ کل تک ہم حاکم تھے یہاں کے لہٰذا فطری طور پر ان کے اندر انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کی جدوجہد کے جذبات موجود تھے ہندو میں نہیں تھے، ہندو کیلئے معاملہ تھا CHANGE OF MASTERS کا پہلے آقا مسلمان تھے اب آقا عیسائی ہیں یورپی آ گئے یہاں کیا معاملہ تھا مسلمانوں میں پے بہ پے تحریکیں اٹھ رہی تھیں کہ کسی طرح ہندوستان کو دوبارہ دارالاسلام بنایا جائے سب سے پہلے سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اٹھی، جن کے قریب ترین ساتھی تھے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تحریکِ شہیدین جہاد کیا۔ اب انہوں نے اس وقت سکیم یہ بنائی تھی (یہ جاننا چاہیے یہ ہماری تاریخ کا بہت اہم واقعہ ہے) کہ پہلے ہم جائیں صوبہ سرحد، وہ پورا علاقہ عالم اسلام کے ساتھ ملحق ہے متصل ہے پہلے وہاں جا کر اسلامی حکومت قائم کریں پھر وہاں سے سکھوں کو شکست دیتے ہوئے آگے بڑھیں، سِکّھا شاہی تھی یہ جہاں آپ بیٹھے ہیں یہاں اس وقت سکّھوں کی حکومت تھی سرحد میں بھی سکھوں کی حکومت تھی پنجاب میں بھی سکھوں کی حکومت تھی اور سکھوں کی حکومت کو کہتے ہیں ''سِکّھا شاہی'' اس میں کوئی قانون وانون کا واسطہ نہیں ہوتا جو چاہے خالصہ کریں۔ پہلے اس لعنت سے مسلمانان پنجاب و سرحد کو چھٹکارا دلایا جائے اور پھر یہاں سے آگے تحریک شروع ہو انگریز کو دھکیلنے کی، انگریز مشرق سے چلا آ رہا تھا سب سے پہلے وہ آیا تھا بنگال میں پھر آگے بڑھا بہار میں آیا تو اس کو دھکا دے کر واپس بنگال میں پہنچا کر پھر وہاں سے BAY OF BENGAL میں اس کو غرق کیا جائے یہ کوشش اس تحریک نے کی تھی اور یہ جان لیجئے کہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدّد تھے بہت عظیم شخص تھے اور

جوان کا جہاد تھا وہ صحابہ کرام رضی کے جہاد کا نقشہ تھا لیکن بہر حال اللہ ﷻ کی مرضی ومشیت وہ جہاد بظاہر ناکام ہوگیا 1831ء میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ساتھ سینکڑوں ان کے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا بالاکوٹ میں ع ''ہیں بالاکوٹ کی مٹی کے ذرے ہمارے عزم کے خونی نشانات''۔

اس کے بعد بھی دوطرح سے اس تحریک کے اثرات جاری رہے سرحد کے علاقے میں مجاہدین مسلسل کام کرتے رہے ان کی شہادت کے بعد وہ بیٹھے نہیں، آخری وقت تک انگریزوں کو ناک چنے چبواتے رہے۔ دوسرے ہندوستان میں مسلمان علماء میں تحریکیں چلتی رہیں اور بے شمار علماء پھانسی چڑھائے گئے مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی اگر آپ کتاب ''کالا پانی'' پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کتنے لوگوں کو سولی دی گئی درختوں پر لٹکا دیا گیا تو مسلمانوں کے اس جذبہ جہاد کو اور آزادی کو CRUSH کرنے کے لئے انگریز نے IRON HEAD استعمال کی اور آپ سمجھئے کہ یہ تحریک بیسویں صدی کے شروع تک چل رہی ہے جبکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے تحریک ریشمی رومال شروع کی' پروگرام یہ تھا کہ ایک طرف ترکوں سے مدد مانگی جائے اور ایک طرف افغانستان سے مدد مانگی جائے یعنی ہم یہاں سے بغاوت کریں باہر سے یہ فوجیں آئیں تاکہ انگریز کو یہاں سے نکال کر دفع کر دیا جائے لیکن اس کا راز بھی فاش ہوگیا پکڑ دھکڑ ہوئی ہزاروں لوگ پکڑے گئے سزائیں ہوئیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے گرفتار ہوئے وہاں وہ گئے ہوئے تھے چونکہ مدینہ منورہ میں ابھی تک ترک گورنر موجود تھا مکہ ترکوں کی حکومت سے نکل چکا تھا وہاں شریف حسین کی حکومت تھی تو مدینہ کے اس گورنر کے ذریعے سے دارالخلافہ ترکی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے گئے تھے لیکن وہاں وہ گرفتار کر لیے گئے اور شریف حسین نے خود گرفتار کر کے یوں سمجھئے کہ چاندی کی طشتری میں رکھ کر انگریز کو پیش کر دیا کہ لیجیے یہ آپ کا باغی ہے یہ یہاں پر بغاوت کے جراثیم پھیلا رہا ہے اور شاید آپ کو معلوم ہو کہ ان کے نام کے ساتھ ''اسیر مالٹا'' آتا ہے انگریز انہیں گرفتار کر کے ہندوستان نہیں لایا بلکہ مالٹا لے گیا کہاں میڈیٹیرین کا جزیرہ کہ اگر یہ مرد حر ہندوستان کی جیل میں رہا تو اس کے سانسوں کے انداز سے بھی ہندوستان کے اندر بغاوت کو تقویت ملتی رہے گی۔

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

کہ اس کو چمن سے نکال دو کہاں وہ بحر میڈیٹیرین جہاں مالٹا ہے۔

تو یہ میں نے آپ کے سامنے نقشہ رکھا اور یہ بھی آپ کے سامنے رہنا چاہیے کہ سندھ میں بھی یہ جو ہمارے پگاڑا صاحب ہیں ان کے دادا نے وہاں انگریز کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا پنجاب کا معاملہ کچھ اور تھا پنجاب میں انگریز آیا اس نے یہاں کے مسلمان کو سکھا شاہی سے نجات دی تو پنجاب کے مسلمان کے نزدیک انگریز 'محسن' تھا نوٹ کیجیے اس کو! یہ نفسیاتی فرق ہے پنجابی مسلمان اور سندھی مسلمان میں، لہٰذا انگریز کا جتنا وفادار پنجاب ہوا ہے اتنا کوئی نہیں ہوا۔ 1857ء میں انگریز کو دلی کا جو دوبارہ قبضہ دلوایا ہے وہ پنجابی مسلمانوں نے دلوایا ہے جب کہ سندھ میں انگریز نے براہ راست مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اس لئے وہاں بغاوت تھی اسی لئے انگریز نے مشہور کر دیا سندھی NON MARSHAL RACE ہے، انہیں فوج میں نہیں آنے دیا کہ فوج میں آئیں گے تو یہ اپنے ساتھ بغاوت کے جراثیم لائیں گے۔ فوج ساری اسی پنجاب سے جہاں ساری وفاداری ہی وفاداری ہے اور یہیں کی فوج نے جا کر خانہ کعبہ پر گولیاں چلائیں اور یہیں کی فوج نے جا کر جنرل ایلن بی کو دمشق کا قبضہ لے کر دیا یہ تاریخی پس منظر ذہن میں رکھیئے۔

بہر حال ایک طرف تو شکل یہ جاری تھی اور دوسرا معاملہ اور ہوا کہ ہندو ہندوستان میں چونکہ اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت سے بہت دور آ چکا تھا ہزار سال تک مسلمانوں کے زیر حکومت رہا تو اس کے کچھ اثرات ہونے تھے کہ نہیں؟ ہم پر انگریز سو برس دو سو برس حکومت کر کے گیا ہے تو اس کی تہذیب ہمارے اندر سرایت کر گئی کہ نہیں؟ چنانچہ آپ کے علم میں ہوگا کہ ہندو بھی فارسی پڑھتے تھے کہ سرکاری ملازمت کرنی ہے تو فارسی پڑھو مسلمانوں کی حکومت ہے سرکاری زبان جو ہے وہ فارسی ہے اس لئے فارسی پڑھتے تھے۔ لہٰذا انگریز نے یہاں پر ایک CULTURAL REVOLUTION شروع کیا 'ثقافتی انقلاب'! وہ کیا تھا ان ہندوستانیوں کو انگریزی پڑھاؤ انگریزی خیالات پڑھاؤ انگریزی نظریات پڑھاؤ انہیں انگریز بنالو۔ یہ لارڈ میکالے کا قول ہے جس نے نظام تعلیم بنایا تھا ''ہم وہ تعلیم کا نظام چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ چمڑی کے رنگت

کے سوا ہر اعتبار سے یورپین ہو جائیں'' چمڑی کی رنگت کو ہم نہیں بدل سکتے جو کالی ہے سانولی ہے جو ہے وہی رہے گی لیکن یہ کہ سوچ وفکر میں اقدار میں خیالات میں نظریات میں رہن سہن میں وضع قطع میں نشست و برخاست میں انہیں یورپین بنادو۔ یہ جو ایک ان کا کلچرل ریوولیوشن تھا ہندو نے اس کو EMBRACE کیا سینے سے لگایا کہ ٹھیک ہے ہم پہلے فارسی پڑھتے تھے اب انگریزی پڑھیں گے کیا فرق پڑتا ہے لیکن مسلمانوں میں ایک زبردست تقسیم ہوگئی علماء کا ایک بڑا مؤثر طبقہ کھڑا ہو گیا کہ انگریزی نہیں پڑھیں گے NON-COOPERATION ترک موالات! نہ انگریزی پڑھیں نہ انگریزی تہذیب اختیار کریں گے اور نہ کرسی میز پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے نہ چمچے اور کانٹے استعمال کریں گے انگریز سے متعلق کوئی شے ہم قبول نہیں کریں گے۔ لہٰذا کونوں کھدروں میں بیٹھ کر دارالعلوم دیوبند قائم کرلیا گیا قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے اندر رہیں گے اپنی ان روایات کو زندہ رکھیں گے انہیں سینے سے لگائے رکھیں گے نہ انگریزی تعلیم حاصل کریں گے نہ انگریزی علوم حاصل کریں گے اب سائنس بھی جو آرہی تھی وہ انگریزی میں پڑھائی جارہی تھی انگریزی پڑھو گے تو سائنس پڑھو گے اس کا ایک بہت خوفناک نتیجہ نکلنے والا تھا کیونکہ اگر آپ انگریزی نہیں پڑھتے تو سرکاری ملازمتیں نہیں انگریزی نہیں پڑھتے سائنس نہیں پڑھیں گے تو دنیا میں بہت بیک ورڈ رہ جائیں گے۔ چنانچہ ایک انگریز W.W.HUNTER نے ایک زبردست کتاب لکھی "OUR INDIAN MUSALMANS" اور اس نے اس میں مرثیہ کہا کہ اگر یہی صورت حال جاری رہی تو مسلمان یا تو منڈیوں میں پلے دار رہ جائے گا یا قصائی رہ جائے گا یا ہمارے دفتروں تک رسائی ہوئی تو چپڑاسی اور دفتری ہوگا بس اللہ اللہ خیر سلاّ۔ باقی یہ عظیم قوم بالکل پیچھے ہو کر رہ جائے۔ اس مرحلے پر ایک عظیم شخص سامنے آیا ہمیں ان کے بہت سے نظریات سے شدید اختلاف ہے لیکن مسلمانوں سے مخلص ہونے کے اعتبار سے ہمیں ان پر قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے ''سرسید احمد خان مرحوم''۔ انہوں نے دو طرفہ کوشش کی ایک کتاب لکھی ''اسبابِ بغاوت ہند'' اور انگریزوں کو بتایا کہ نہیں مسلمان باغی نہیں ہے آپ نہ گھبرائیں، مسلمان پُرامن شہری رہے گا آپ فکر نہ کریں' تاکہ انگریز کو جو دوری ہو رہی تھی اس میں کچھ کمی آئے۔ مسلمانوں کو تلقین کی کہ بھائی انگریزی پڑھو ٹھیک ہے ان کے علوم میں جو چیزیں غلط ہیں ان کو REJECT کر دو لیکن جو

ٹھیک ہے وہ تو لو ورنہ تو تم رہ جاؤ گے وہی پلے دار یا قصائی یا دفتر میں دفتری بس۔تو ہمارے ہاں ایک تقسیم ہوگئی جب کہ ہندوؤں نے بحیثیت مجموعی پوری قوم نے انگریز کے کلچرل ریوولیوشن کو WELCOME کیا ہمارے ہاں تقسیم ہوگئی اس کا بھی ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو ہم سے بہت آگے نکل گئے تعلیم میں آگے نکل گئے پھر ملازمتوں میں آگے نکل گئے انگریزوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور قرب عطا کیا اور یہ سب دو وجہ سے ہوا ایک ان کا خیال تھا کہ ان میں بغاوت نہیں ہے کہ یہ پہلے بھی غلام اب بھی غلام اور دوسرے یہ کہ انہوں نے ہمارے اس کلچرل ریوولیوشن سنجیدگی کے ساتھ قبول کیا ہے۔اس کے نتیجے میں وہ مسئلہ جو میں پہلے آپ کو بتا چکا ہوں اب بہت گھمبیر ہوگیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے بڑا شدید خطرہ ہوگیا کہ ہندو پوری طرح چھا جائے گا اور مسلمان کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی جس نے یہاں ہزار سال حکومت کی تھی۔اب اس سلسلے کو ذرا ایک طرف رکھیے۔

دو عظیم سیاسی جماعتیں برعظیم پاک و ہند کے منصۂ شہود پر آئیں پہلی آل انڈیا نیشنل کانگریس اور غور کیجیے آپ حیران ہوں گے جن کے علم میں یہ بات پہلی بار آئے گی کہ اس کا قائم کرنے والا ایک انگریز تھا کوئی گاندھی تو نہیں تھا یا کوئی اور ہندوستانی تو نہیں تھا 'مسٹر ہیوم' یہ ایک رٹائرسول سرونٹ تھا اسے کچھ اطلاعات پہنچی کہ بنگال میں کچھ ہندو نوجوان زیرزمین تحریک شروع کررہے ہیں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔تو اس نے یہ خیال ظاہر کیا اور وقت کے وائسرائے سے جا کر بات کی، لارڈلٹن سے بھی اور پھر اس کے جانے کے بعد لارڈ ڈفرن سے کہ اس کا کوئی متبادل ہونا چاہیے۔اور مشورہ یہ طے پایا کہ ان ہندوستانیوں کو ایک ایسی جماعت بنا کر دے دو کہ یہ دستوری طور پر، پُرامن طور پر قانون کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے حقوق طلب کریں اور اپنے معاملات پیش کریں اپنی شکایات ہمارے سامنے پیش کریں اور ان کا ازالہ کروائیں' تاکہ وہ انڈرگراؤنڈ قسم کی جو دہشت گرد تنظیم ہے کہیں وہ سامنے نہ آجائے۔چنانچہ 1885ء میں پونا کے مقام پر ''آل انڈیا نیشنل کانگریس'' قائم ہوئی۔دوسری جماعت ''آل انڈیا مسلم لیگ'' 21 برس بعد قائم ہوئی اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ 1905ء میں انگلستان میں ایک لبرل پارٹی کی حکومت ہوئی اور انہوں نے طے کیا کہ اب ہندوستانیوں کو ہم کچھ سیاسی حقوق دیں گے ان کی ایڈوائیزری

کونسل بنادی جائے اور وائسرائے کی کونسل ہو جائے اس میں ہندوستانی بھی آئیں تا کہ ان کو بھی معلوم ہو کہ ہماری بھی کوئی حیثیت ہے ہماری بھی رائے کہیں سنی جاتی ہے تو اس طریقے سے ان کو کچھ حقوق دیئے جائیں یہ اس لبرل پارٹی کا پروگرام تھا۔ اس پر مسلمانوں کی تشویش اور زیادہ ہوگئی کہ اب تو وہ وقت آ گیا ہے کہ اگر ONE MAN ONE VOTE والا معاملہ ہو گیا تو مسلمان تو ہمیشہ کے لئے ہندو کا غلام ہو جائے گا اور سب سے پہلے نواب محسن الملک کو یہ خیال آیا جو سرسید احمد خان کے نائب کہہ لیجیے جانشین کہہ لیجیے بڑے قریبی رفیق کار تھے تو علی گڑھ ہی کے ایک رئیس محمد اسماعیل صاحب بھی ان کے ساتھ شریک ہوئے انہوں نے ہندوستان بھر میں مسلمانوں میں جو ELITE لوگ تھے نواب حضرات بڑے لوگوں سے گفتگو کی' اور یہ فیصلہ ہوا کہ وائسرائے کے پاس مسلمانوں کا ایک وفد جانا چاہیے اور وہاں جا کر اپنی بات رکھنی چاہیے اس کے لئے انہوں نے علی گڑھ کالج کے پرنسپل سے مدد لی جو کہ ایک انگریز تھا اس کے ذریعے پرائیویٹ سیکرٹری سے ٹائم لیا اور ایک پورا وفد لے کر شملہ گئے 35 افراد اس میں تھے، لارڈ ڈفرن سے ملاقات ہوئی اور وہاں وہی سرسید احمد والی دو باتیں کیں کہ آپ مسلمانوں سے اندیشہ محسوس نہ کریں مسلمان بھی جو RULE OF LAW آپ نے شروع کیا اس کے ساتھ ہے ذہنی طور پر اسے قبول کر چکا ہے اور دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں اگر آپ نے ایک ووٹ کے اصول پر حقوق دیے تو اس میں تو ہمارے ساتھ بڑی بے انصافی ہو جائے گی یہ درست نہیں ہے، ہمارا معاملہ علیحدہ ہے ہماری سوچ علیحدہ ہے ہماری تہذیب وتمدن علیحدہ ہے ہماری ان تمام چیزوں کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ یہ 1905ء میں وفد گیا ہے سر آغا خان (جو اسماعیلی امام تھے موجودہ پرنس کریم آغا خان کے دادا) کی صدارت میں یہ وفد ملا اور لارڈ ڈفرن نے یہ تسلیم کیا کہ ہاں ہندوستان کا معاملہ خاص ہے یورپ کی طرح ONE MAN ONE VOTE کا معاملہ اور اس سے حکومتوں کا چلنا یہاں یہ نہیں چلے گا یہاں پر لوگوں کے مختلف تہذیبی اور ثقافتی حلقوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس سے شہ ملی 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی ڈھاکہ میں' نواب سلیم اللہ خاں مرحوم کی محل نما کوٹھی میں' جو میں دیکھ کر آیا ہوں جب میں بنگلہ دیش گیا تھا وہاں پر مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس کا صدر آغا خان کو ہی مقرر کیا گیا اور نواب وقار الملک اور محسن الملک ان کے نائبین میں سے تھے۔ اب یہ بھی ایک چیپٹر ذرا

ختم کیجیے۔

اب آیئے تیسرے چیپٹر کی طرف! مسلمانوں کے اعتبار سے اور پاکستان کے پس منظر کے اعتبار سے دو عظیم شخصیتیں سامنے آئیں ان کی شخصیتوں کا ذرا تقابلی مطالعہ ضرور کیجیے اس سے بہت کچھ حقائق پر سے پردے اٹھیں گے یہ ہیں دو CO-FONDERS OF PAKISTAN یہ دو نام ہمیشہ آپ سنتے ہیں قائداعظم علامہ اقبال، قائداعظم علامہ اقبال اگرچہ اس میں اوّلیت ہمیشہ قائداعظم کو دی جاتی ہے اور علامہ اقبال کو ثانویت' جبکہ حقیقت میں اوّلیت علامہ اقبال کی ہے اور قائداعظم کی ثانویت، بہرحال یہ تفصیل مَیں ابھی آپ کے سامنے رکھوں گا۔ نمبر ایک یہ کہ یہ دونوں شخصیتیں بالکل ہم عصر ہیں 25 دسمبر 1876ء کو جناح صاحب پیدا ہوئے اور 9 نومبر کو 1877ء کو اقبال صاحب پیدا ہوئے، صرف ساڑھے دس مہینے کا فرق ہے۔ اقبال کا تو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے کوئی شک وشبہ ہی نہیں اور کشمیری پنڈتوں کے نومسلم خاندان سے ان کا تعلق ہے۔ محمد علی جناح کے بارے میں اول تو یہ بھی اختلاف ہے کہ پیدا کہاں ہوئے' عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کراچی میں پیدا ہوئے لیکن سندھ میں سب لوگ دعویٰ کرتے ہیں جھرک میں پیدا ہوئے اور جھرک جو ہے وہ ٹھٹھے کے قریب یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا وہاں پیدا ہوئے انہوں نے وہاں کے میونسپل ریکارڈ سے بھی ثابت کیا ہے انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی کراچی ایک یونیورسٹی ہے وہاں مَیں گیا تھا انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ مشہور ہوگیا ہے بس ولادت وہاں کی نہیں ہے ہاں ان کے والد کا وہاں کاروبار تھا یہ ہوسکتا ہے کہ پیدائش کے فوراً بعد وہاں چلے گئے ہوں لیکن ولادت جھرک کی ہے۔ اور ایک عجیب بات آپ کو سنا رہا ہوں عام طور پر خیال یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اسماعیلی تھے خوجے، میرے علم میں ایک بات ایک دفعہ آئی ہے جو میں آپ کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں میں خود پہلی مرتبہ حیران ہوا یہ ''نقوش'' ایک رسالہ بہت مشہور ہے اس نے 1964ء میں بارہ بارہ سو صفحے کے دو والیم شائع کئے تھے ''آپ بیتی'' اور جتنے بڑے مشاہیر لوگ ہیں ان کے حالات زندگی ان کی اپنی تحریر سے یا تقریر سے جو سامنے آئے ان کو لکھا ہے تو قائداعظم کا جو CHAPTER ہے اس میں محمد علی جناح کا یہ قول ہے کہ!

''میں پنجابی راجپوت ہوں میرے ایک جد کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے وہاں انہوں نے

ایک خوجہ لڑکی سے شادی کر لی تھی اور انہیں کے خاندان میں شامل ہو گئے تھے اس وقت سے ہم لوگ خوجوں میں شمار ہونے لگے ہیں میرے وہ جد جو کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے وہ ضلع منٹگمری کے رہنے والے تھے''

اور حوالہ یہ ہے کہ یہ بات قائداعظم کے منہ سے اس وقت نکلی جب نواب صاحب باغ پت نے کہا کہ آپ کا خاندان تو تجارت پیشہ ہے پھر آپ میں یہ گھن گرج کہاں سے آ گئی؟ کاروباری آدمی تو ہوتا ہے جیسے بنیا ہوتا ہے وہ تو بہت ہی ہلکے ہلکے انداز میں بات کرتا ہے وہ کوئی گرجدار آواز میں تو بات نہیں کرتا کاروباری آدمی کا ایک اپنا انداز ہے اور ایک زمیندار راجپوت کا ایک اپنا انداز ہے جب ان سے یہ کہا گیا کہ یہ گھن گرج آپ میں کہاں سے آ گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اصل میں تو مَیں راجپوت ہوں واللہ اعلم' جون 1964 کے ''آپ بیتی نمبر'' میں یہ موجود ہے۔

اب آگے آیئے! بچپن کے اعتبار سے ان دونوں شخصیتوں میں بڑا فرق ہے۔ اقبال کی پرورش میں ابتدائی تعلیم و تربیت میں دینی، مذہبی، روحانی، اخلاقی گہرے اثرات ہیں۔ والد شیخ نور محمد' صوفی تھے، فارسی عربی شروع سے پڑھی علامہ میر حسن سیالکوٹی کی تعلیم، یہ چیزیں مَیں آپ کو خاص طور پر گنوا رہا ہوں اس کا نتیجہ کہاں نکلے گا وہ بعد میں سامنے آ جائے گا۔ ایسی کوئی بات محمد علی جناح کے بچپن میں نہیں ہے ایک تو خوجہ فیملی کے ہاں مذہب سے کوئی خاص سروکار ہوتا ہی نہیں ہے اور یہ کہ ان کے والد جناح پونجا ایک معمولی سے کاروباری آدمی تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ نہایت محنتی نوجوان تھے سولہ سال کی عمر میں میٹرک کیا ہے اور بیس سال کی عمر میں برطانیہ سے بار ایٹ لاء ہو کر واپس بھی آ گئے چار سال میں' معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میٹرک کے بعد بار ایٹ لاء ہو سکتا تھا' میٹیکولیشن کے بعد فوراً آپ جایئے اور جا کر وہاں جوائن کر لیجیے قانون پڑھ کر آ جایئے اور بار ایٹ لاء ہو کر آ گئے بیس برس کی عمر میں۔ اقبال نے ایم اے کیا فلسفہ پڑھا اقبال شاعر بنا اور ابتداء میں اس کی شاعری کے موضوعات وہی تھے جو عام شاعری کے ہوتے تھے گل و بلبل کی شاعری، ہجر و وصال کی شاعری، عشق کی اور ہجر کی باتیں ہوتی ہیں اور ایک طرح سے کھلنڈرا پن بھی کچھ عرصے تک ان کے اندر رہا ہے، مَیں یہ سب سے ہلکا لفظ استعمال کر رہا ہوں زیادہ تفصیل

میں نہیں جانا چاہتا۔ جب کہ محمد علی جناح نہایت سنجیدہ آدمی تھے بیس سال کی عمر میں کراچی آ کر پریکٹس شروع کر دی وہاں کچھ کامیاب نہیں ہو سکے بمبئی چلے گئے وہاں کامیاب ہو گئے اور فوراً ہی سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ لیکن سیاست میں محمد علی جناح جب 1906ء میں مسلم لیگ بنی ہے اس میں شامل نہیں ہوئے یہ کانگریس میں تھے دادا بھائی نوروجی اس وقت جو آل انڈیا نیشنل کانگریس کا صدر تھا اس کے سیکرٹری تھے، اور اس وقت ان سے کہا بھی گیا کہ مسلم لیگ میں آ جایئے تو انہوں نے کہا کہ نہیں! مسلم لیگ کا نصب العین کوئی اونچا نہیں ہے یہ کیا اپنے حقوق، اقلیت اور اکثریت کی بات ہے؟ کوئی اونچی بات کرو آزادی کی بات کرو تب میں آؤں گا ورنہ نہیں تو 1906 میں محمد علی جناح مسلم لیگ میں نہیں آئے۔ 1913 میں آئے جب مسلم لیگ نے خود اختیاری کے حصول کا RESOLUTION پاس کر دیا۔

WE NEED AND WE DEMAND SELF DETERMINATION ?

اس کے بعد بھی سات برس تک DUAL MEMBERSHIP رکھی' مسلم لیگ کی بھی اور کانگریس کی بھی۔ بھرپور ترین کوشش کی ہے محمد علی جناح نے کہ ہندو اور مسلمانوں کے مابین کوئی فارمولہ ایسا طے پا جائے کہ مسلمانوں کو جو خوف ہے جو اندیشے ہیں وہ ختم ہو جائیں اور اس فارمولے کے تحت ہم مل جل کر ایک ملک میں رہ سکیں اور ہم ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کر سکیں اتنی کوشش کی ہے اتنی کوشش کی ہے کہ انہیں ہندوؤں نے خطاب دیا AMBASSADOR OF UNITY ''سفیر اتحاد'' اور یہ گوکھلے جیسا شخص ہے کہ جس نے یہ خطاب دیا محمد علی جناح کو کہ یہ اتحاد کے سفیر و پیغامبر ہیں انہیں کی کوشش سے 1915ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے ANNUAL SESSION بمبئی میں ایک ہی وقت منعقد ہوئے ہیں تا کہ دونوں جماعتوں کے لیڈرز کی آپس میں کوئی NEGOCIATION وغیرہ ہو سکے۔ 1916 میں لکھنؤ میں پھر دونوں سیشن ایک جگہ ہوئے۔ اور 1916 میں کانگریس نے ایک RESOLUTION پاس کیا جداگانہ انتخاب کا' جس سے گویا ایک درجہ میں مسلمانوں کے مطالبے کی پذیرائی ہو گئی۔ یہ گویا کہ محمد علی جناح کے انتہائی کامیابی کا دور تھا کہ اپنے مشن میں وہ مطمئن ہوئے۔ اس کا پس منظر کیا ہے اس وقت ہندوستان میں ایک تحریک خلافت چل رہی تھی، برطانیہ اور یہودیوں

کے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشیں ہورہی تھیں اور خلافت کے خاتمے کی کوشش ہورہی تھی تو ردعمل میں ایک تحریک ہندوستان میں چلی ''خلافت کی تحریک'' مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت شیخ الہند اور مولانا حسین احمد مدنی یہ بڑی بڑی عظیم شخصیتیں ہیں اور اس وقت اتنا اتحاد ہوگیا تھا کہ گاندھی خلافت کی تحریک میں شریک ہوا ہے بھئی گاندھی کو خلافت سے کیا سروکار۔ اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ 1916 میں سیاسی مستقبل کے اعتبار سے بھی ایک فارمولے پر کچھ اتفاق ہوگیا لیکن جیسے ہی مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کا پردہ چاک کیا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اب وہ اوس پڑی یہاں پر ''مدعی سست گواہ چست'' وہ خلافت ختم کررہے ہیں اور ہم یہاں شور مچارہے ہیں یہاں خلافت کی تحریک میں مسلمانوں نے جیلیں بھردیں اور اس سے جو افسردگی طاری ہوئی مسلمانوں پر ایک بڑے عرصے کے لئے DEPRESSION کی کیفیت آئی ہے۔ اس پر ہندو نے سوچا اب ہم کھل کر اپنی بات کریں گے اس پر انہوں 1928 کے اندر تجویزیں پیش کی ہیں نہرو رپورٹ اس میں تمام مسلمانوں کے مطالبات رد کردیئے اس کے بعد محمد علی جناح نے چودہ نکات 1929 پیش کیے وہ بھی رد کردیئے تو محمد علی جناح انتہائی مایوس ہوکر ہندوستان چھوڑکر انگلستان چلے گئے یہاں کی سیاست سے تعلق منقطع۔ وہاں جاکر کوٹھی خریدی اور LEGAL PRACTICE شروع کردی اس زمانے میں وہاں پر ایس ایم اکرام صاحب آکسفورڈ میں پڑھ رہے تھے جن کی کتابیں ہیں آب کوثر، موج کوثر، حوض کوثر۔ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے پڑھی ہوں گی نہیں پڑھیں تو ضرور پڑھیں جو بھی ان چیزوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں کہ پورے ہندوستان کی مسلم انڈیا کا BACK GROUND کیا ہے؟ کلچرل بیک گراؤنڈ، پولیٹیکل بیک گراؤنڈ، مذہبی بیک گراؤنڈ۔ بہرحال وہ آئے ان سے ملے لندن میں کہ جناح صاحب آپ کیوں ہندوستان چھوڑکر آگئے وہاں کے مسلمانوں کو آپ کی قیادت کی ضرورت ہے۔ میں محمد علی جناح اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جناح صاحب

اس وقت تک قائد اعظم نہیں بنے تھے ابھی وہ ایم اے جناح تھے اس لئے میں یہ لفظ استعمال کررہا ہوں آپ حضرات یہ نہ سمجھئے کہ میں ان کی توہین کے لئے کہہ رہا ہوں یہ زمانی اعتبار سے اس وقت تک وہ محمد علی جناح تھے قائد اعظم نہیں تھے انہوں نے جو جملہ کہا ہے کہ HINDUS ARE INCORRECTABLE کہ ''ہندو تو نا قابل اصلاح ہے'' ان کی تنگ نظری ان کے اندر جو نظریات ہیں اور مسلمانوں کی دشمنی ان کی رگ و پے میں پیوست ہے THEY ARE INCORRECTABLE یہ نا قابل علاج ہے اور نا قابل اصلاح ہے۔ اب یہ وہ شخص کہہ رہا ہے کہ جس نے اتنے طویل عرصے جدوجہد کی ہے یہ کوئی باہر کا آدمی نہیں ہے جسے ''سفیر اتحاد'' کا خطاب ملا ہے اور دوسری بات اس نے یہ کہی کہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کا کوئی لیڈر جو بات مجھ سے صبح کرتا ہے وہ شام تک ڈپٹی کمشنر کو یا گورنر کو بتا دیتا ہے اب ایسی قوم کی قیادت میں کیسے کروں؟ اب ذرا اس بات کو ایک طرف رکھ کر دوسری طرف آیئے۔

اقبال کا میں نے آپ کو جیسے بتایا کہ ان کا وقت جو تھا ایم اے کرنے کے بعد سے 1905ء تک شاعری میں، ادبی سرگرمیوں میں، مشاعروں میں اور بھی کچھ دلچسپیوں میں ان کی زندگی گزرتی تھی ابھی کوئی خاص اسلامی جذبہ ان کے اندر نہیں ابھرا تھا بلکہ اس دور میں خود علامہ اقبال بھی انتہائی گہرے NATIONALIST تھے ان کی نظمیں! کوہ ہمالہ اک نیا شوالہ۔

آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بسائیں
اور سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ذرا اندازہ کیجیے وہی اقبال جو بعد میں کہے گا کہ وطن بت ہے جس کا توڑنا فرض ہے لیکن وہی اقبال کہہ رہا ہے کہ 'خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے' اور

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستان ہمارا

یہ ایک نیشنلسٹ انداز ہے اور آج بھی ہندوستان میں ان کی ان نظموں کو ان کے ریڈیو وغیرہ سے خوب اچھالا جاتا ہے۔لیکن 1905ء میں وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لئے اور بار ایٹ لاء کرنے کے لئے انگلینڈ چلے گئے وہاں تین سال رہے ہیں اور وہاں ایک عجیب انقلاب آیا ہے اقبال کے اندر ع ''مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے'' وہاں کے حالات دیکھ کر، وہاں کی تہذیب سے براہِ راست CONTACT ملا کر طبیعت کے اندر ایک شدید ردعمل پیدا ہوا۔اور یہ میرا بھی مشاہدہ ہے' میں سن 70 میں پہلی مرتبہ انگلینڈ گیا تھا وہاں بھی مشاہدہ ہوا بعد میں 79 سے مسلسل امیر کہ جاتا رہا 2001 تک' کہ جن لوگوں کی بنیادی تربیت میں مذہبی جذبہ ہوتا ہے جن کے والدین کی طرف سے کچھ نہ کچھ مذہبی روح ان میں منتقل ہوتی ہے وہ یہاں رہتے ہوئے اگر دبی بھی رہے تو وہاں جاتے ہی بھڑک اٹھتی ہے وہ ایک REACTION ہوتا ہے وہاں جا کر اپنی بات یاد آتی ہے ع ''مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے''۔ (جاری ہے)

یہ جب 1908ء میں واپس آئے ہیں ذرا نوٹ کیجیے کہ اب انہوں نے 1908 سے 1930 تک کیا کیا؟اسلام کے فلسفہ وفکر کی تدوین نو، RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM ،قرآن کی جدید حکیمانہ تفسیر،مَیں اقبال کو مفسرین میں شمار کرتا ہوں اگرچہ ان کی کوئی تفسیر لکھی ہوئی نہیں ہے اور میں خود اپنے آپ کو ان کا خوشہ چین شمار کرتا ہوں میں نے اپنی چار SOURCES معین کی ہیں کہ میری سوچ اور میرے علم اور میری جو بھی فکر ہے میں نے یہ جہاں جہاں سے جمع کیا ہے ان میں سے ایک اقبال ہے۔ پھر انہوں نے ایک منادی کی کہ اسلام کے احیاء کا دور آ رہا ہے امت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ ہونے والی ہے

؎ نکل کر صحرا سے جس نے رومہ کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے کہ وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اور

؎ کتاب ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

یہ ولولہ یہ غلغلہ 1908 سے 1930 تک پورے ہندوستان میں ایک لہر دوڑ گئی ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ایک امید کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور اقبال سے پہلے کا ہمارا قومی شاعر کون تھا؟ حالؔی! حالی کے ہاں صرف مرثیہ ہے

؎ پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

؎ مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

مایوسی ہی مایوسی ہے اور

؎ اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

؎ وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

مرثیہ! اقبال کے ہاں مرثیہ بھی ہے ان کی ایک نظم جو بڑی عظیم ہے۔ جب انگلستان جا رہے تھے جزیرہ صقلیہ کے پاس سے جہاز گزر رہا تھا یہ سسلی کو عرب صقلیہ کہتے تھے یہ اٹلی کے نیچے جو ایک جزیرہ ہے سسلی اور یہاں مسلمانوں کا بہت بڑا بحری اڈہ ہوتا تھا پورے MEDITERRANEAN پر ان کا قبضہ تھا ان کا جو اڈہ تھا وہ سسلی تھا وہاں سے گزرتے ہوئے جو خون کے آنسو روئے ہیں۔

؎ رو لے اب دل کھول کے اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

؎ تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

اور اس کا آخری شعر یہ ہے کہ

؎ غلغلوں سے جن کے لذت گیر اب تک گوش ہے

کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟

کیااب یہاں دوبارہ اللہ اکبر ـــــــــــــــ کوئی مؤذن کھڑا ہوکرنہیں کہے گا؟ تواقبال کے ہاں مرثیہ بھی ہے لیکن اس کے ہاں ایک پرامید مستقبل کی خبر بھی ہے خوشخبری بھی بشارت بھی ہے اور تجدید ملت اسلامی کا علمبردار بن کرجب اقبال کھڑا ہوا ہے تو ایک تو اس نے CAPITALISM پرنفی کی اوراشتراکیت کی نفی کی،مغربی تہذیب کی دھجیاں بکھیریں۔

ے دیارمغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرکم عیار ہوگا
ے تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یہ ولولہ یہ غلغلہ یہ طنطنہ یہ حوصلہ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرحالانکہ اس وقت جومغرب تھا ہم کہاں تھےاوروہ کہاں تھا زمین اورآسمان کا فرق تھا ہم خاک نشین اوروہ عرش نشین لیکن نہیں ایک آدمی کے اندر جذبہ پیدا ہوا ہے۔اورسب سے بڑا کام جواقبال نے کیا ہے وہ وطن کے بت کوتوڑنا ہے وہی وطن ع ''خاکِ وطن کا مجھ کو ہرذرہ دیوتا ہے'' لیکن اب چونکہ تحریک چل رہی تھی ایک وطن ایک قوم،NATION STATES کا تصورمغرب سے آیا کہ ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں مذہب ان کا جوبھی ہواس کواپنے گھروں میں رکھومذہب اپنے پاس رکھوقوم ایک ہےاوراس میں شدید خطرہ تھا کہ اسلام گم ہوجائے۔اسلام تو نظام ہے دین ہے وہ صرف مذہب نہیں ہے اگر مذہب ہوتا تو وہ یقیناً اس طرح کی کسی سکیم میں شامل ہوجاتا اسلام تو دین ہے دینُ اللّٰہ ہے پورا نظام ہے اس کا معاشی نظام اپنا ہے،سیاسی نظام اپنا ہے،معاشرتی نظام اپنا ہے،قانونی نظام اپنا ہے،عدالتی نظام اپنا ہے،وراثتی قانون اپنا ہے،شہادت کا قانون اپنا ہے، عائلی قوانین اپنے ہیں ہرشے علیحدہ ہے لیکن اب ایک زبردست تحریک (اس کوبھی میں آپ کے سامنے کچھ بیان کردوں گا) یہ اٹھ رہی تھی کہ وطن ایک ہےاورقوم بھی ایک ہے۔اوراس میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں بھی بہہ گئیں مولانا آزاد جیسا عبقری اورمولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم مجاہدؒ انہوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ آج کے دور میں قومیں وطن سے بنتی ہیں جس پراقبال نے پھر بہت سخت

تنقید کی تھی۔

؎ عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ ابوالعجبیست

؎ سروز برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر از مقام محمدؐ عربی ست

؎ بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

دین تو نام ہی مصطفٰےؐ کا ہے، دین کا سارا ڈھانچہ تو بنتا ہی سنت رسول پر ہے قرآن کہتا ہے نماز پڑھو نماز پڑھو! کیسے پڑھو؟ یہ قرآن نہیں بتاتا پانچ نمازیں قرآن نہیں بتاتا چار رکعتیں دو رکعتیں یہ قرآن نہیں بتاتا نظام صلوٰۃ بنتا ہے تو سنت سے بنتا ہے دین کا سارا معاملہ ہے ہی سنت رسولؐ سے۔ بہرحال اب میں آپ کے سامنے اقبال کی اس نظم کے اشعار بھی سنا دوں جس میں کہ واقعتاً شدید ترین جذباتی حد تک وطنیت کی نفی کی ہے۔

؎ اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے

یہ نئی تہذیب NATION STATE کا مغرب سے تصور آیا ہے ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھلا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

یہ اشعار تو بہت عرصے سے میں نے بار بار کوٹ کیے ہیں لیکن پچھلے دنوں دو اور اشعار کی طرف ذہن متوجہ ہوا ہے۔

؎ منزل راہ رواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟

؎ بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟

قوم دین پر ہے یا وطن پر؟ یہ جنگ ہے جو چل رہی ہے اور یہ اشارہ خود اپنی ذات کی طرف کر رہے ہیں۔ یہاں میں تھوڑا سا آپ کا وقت اور لوں گا۔

اقبال تو یہ کر رہا تھا ہندو کیا کر رہے تھے؟ ہندوؤں میں بھی اب اپنی تہذیب اپنا تمدن اپنا ماضی دوبارہ زندہ کرنے کے لئے عظیم تحریکیں شروع ہو چکیں تھیں۔ سب سے پہلے بنکم چندن چٹرجی نے وطن پرستی کی بنیاد پر ایک بڑی عظیم تحریک شروع کی اور بندے ماترم جو بھارت کا آج بھی قومی ترانہ ہے وہ اسی کی ایجاد ہے

؎ ہم وطن کے پوجنے والے ہیں
بندے ہیں ہم وطن کے

پھر راجہ رام موہن رائے سامنے آئے اور انہوں نے برہمو سماج بنایا کہ اجی چھوڑو شریعتوں کو، اللہ کو تو سب مانتے ہو نا آپ نے اللہ کہہ دیا کسی نے مہادیو کہہ دیا کسی نے GOD کہہ دیا کسی نے کچھ اور کہہ دیا بس اللہ کی محبت ہونی چاہیے باقی چھوڑو ان نبوتوں رسالتوں تہذیبوں اور شریعتوں کو۔ جو کبھی دین اکبری یا دین الٰہی کا معاملہ تھا راجہ رام موہن رائے نے اس کو دوبارہ زندہ کیا ہے بڑا عالم اور بڑا فاضل انسان تھا آٹھ دس زبانوں کا ماہر، عربی اور فارسی کا انتہائی ماہر تھا اب

ایسے لوگوں کی تحریک جو ہے ظاہر بات ہے وہ تو شریعت کی سی ہے جیسے کہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطوط کے اندر لکھا ہے اور وہی اقبال کہہ رہا ہے کہ سارا معاملہ تو ہے ہی ایمان بالرسالت کا۔ آج بھی ہمارے ہاں بہت سے لوگ آتے ہیں کہ ایمان بالرسالت کیا ضروری ہے جی؟ اللہ کو مانیں آخرت کو مانیں اور اچھے کام کریں بس یہ ہونا چاہیے کیا ضروری ہے کسی رسول کا ماننا؟ وہ مختلف پیرایوں میں آج بھی وہ تحریکیں چل رہی ہیں کہیں روشن خیالی کے تحت ہے اور کہیں حدیث کا استخفاف اور حدیث کی نفی اور انکار کی بنیاد پر۔ اس کے بعد ایک اور شخص ابھرا ہے یہاں پر میری عمر کے لوگ تو شاید چند ہی ہوں گے جنہیں یاد ہو کہ یہ ''ستیارتھ پرکاش'' ایک کتاب آئی تھی زہریلی' دیانند سرسوتی اس کا مصنف تھا۔ اس نے قرآن پر بڑے رقیق حملے کیے تھے اس نے آریہ سماج قائم کیا جو بڑا MILITANT تھا۔ اس آریہ سماج کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ مسلمان یا ہندو ہو جائیں یا یہاں سے نکل جائیں یہاں ان کو نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اسی آریہ سماج کے بطن سے R.S.S پیدا ہوئی ہے ''راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ'' انتہائی MILITANT انتہائی زہریلی مسلمانوں کے خلاف جن کے تین لاکھ کارکنوں نے جا کر ایودھیا کی بابری مسجد کو منہدم کیا ہے۔ یہ چیز بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اب گویا کہ ہندو مسلم مسئلہ پوری شدت کے ساتھ سامنے آ گیا۔ اب یہ دو قوتیں بالمقابل آ گئیں بہرحال اس میں اب تبدیلی جو آئی ہے۔ دسمبر 1930 محمد علی جناح جا چکے انگلینڈ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ہو رہا ہے اس کی صدارت کے لئے بلایا گیا علامہ اقبال کو' یہ مسلم لیگ کے HORIZON پر ایک نیا سورج طلوع ہوا ہے اقبال کی شکل میں' وہ مسلم انڈیا کی تاریخ میں عظیم لینڈ مارک ہے اس میں علامہ اقبال نے ایک طرف منطقی فلسفیانہ اور تمام عُمرانی اصولوں کے ساتھ بحث کر کے ثابت کیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اور وہ کسی دوسری قومیت کے ساتھ ضم نہیں ہو سکتی۔ شعروں میں تو وہ پہلے بھی کہہ رہے تھے۔ لیکن نثر میں آ کر سنجیدہ زبان میں آ کر اور پھر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ANNUAL SESSION OF ALL INDIA MUSLIM LEAGUE AT ILLAH ABAD ان کی جو حیثیت تھی انہوں نے ثابت کر دیا اسی کا نام ہے۔ TWO NATION THEORY اور اس ٹو نیشن تھیوری کا سراغ ویسے تو ہم لگا سکتے ہیں

سرسید احمد خان سے اور مسلم لیگ میں لیکن اس کو مدلل کر کے اور مبرہن کر کے دلائل کے ساتھ سوشیالوجی کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ثابت کیا ہے اقبال نے اپنے خطبے کے اندر۔ اور نمبر دو اس میں اقبال نے ایک خوشخبری دی ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی یہ 1930 میں بات ہورہی ہے اس کا RESOLUTION ابھی دس سال بعد چالیس میں پاس ہوگا اور وجود تو سترہ سال بعد ہوگا۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ ''میں محمد علی جناح کے 14 POINT سے بھی آگے جانا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ پنجاب اور سرحد اور بلوچستان اور سندھ کو جمع کر کے ایک ریاست بنا دیا جائے اور یہ ریاست اگر برطانوی حکومت کے اندر ہو تو وہ گویا ایک STATE علیحدہ ہو جائے گی جیسے ONE UNIT ہمارے ہاں بنا تھا اور اگر باہر ہو تو علیحدہ آزاد ریاست ہو جائے گی کیونکہ اس وقت تک انگریز کے ہندوستان سے جانے کا کوئی امکان کسی شخص کو بھی نظر نہیں آ سکتا تھا انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہوگا IT IS THE DESTINY۔ یہ آپ کو جو دو کتابچے دیئے گئے ہیں ان میں یہ اقتباسات دیدیئے گئے ہیں تا کہ تقریر کے دوران تو ان کا حوالہ ہی ہوگا آپ ان کو پڑھ کر تفصیل سے جان سکتے ہیں۔ اور اس میں پھر انہوں نے جسے میں کہتا ہوں کہ مزید ایک انجکشن دیا ابھی تک مسلم لیگ کی تحریک چل رہی تھی ایک NEGATIVE MOTIVE پر خوف خوف ہندو کا خوف ہندو ہمیں دبا لے گا ہندو ہمارے اوپر ظلم کرے گا ہندو ہمارا مذہب بھی بدل دے گا اب تو شدھی کی تحریک بھی شروع ہو چکی تھی، راجستان میں ایک بڑے پیمانے پر شدھی ہو رہی تھی اسی کے جواب میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی جماعت قائم کی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے۔ بہر حال وہ جو ایک خوف کا ایک ELEMENT ہے ظاہر بات ہے یہ NEGATIVE ELEMENT ہے منفی ہے اب یہاں آ کر اقبال نے ایک مثبت انجکشن لگایا میں کہا کرتا ہوں جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ مریض ہسپتال میں پڑا ہوا ہے اور اسے گلوکوز کی بوتل لگی ہوئی ہے اور ٹیوب میں سے گلوکوز خون میں مسلسل جا رہی ہے اب اگر کوئی اور ٹیکہ لگانا ہے تو اسی ٹیوپ کے اندر ٹیکہ لگا دیتے ہیں خواہ مخواہ کوئی اور PRICK مریض کو کاہے کو دینی۔ اب انہوں نے مسلم لیگ کو مثبت جذبہ ایک نیا PRICK دیا ہے کہ اگر ہمیں ایک آزاد مسلمان ملک مل جاتا ہے تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے

چہرے پر جو بدنما داغ اور دھبے دور ملوکیت میں آ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا صحیح نقشہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس میں ہم اپنے ORIGINAL اصول لیں اور آج کی دنیا کے تقاضوں کو جمع کر کے ایک نظام بنائیں اور اسے گویا کہ پوری دنیا کے لئے LIGHT HOUSE بنائیں' یہ POSITIVE جذبہ ہے صرف ہندو کے خوف کی بات نہیں بلکہ ہم اسلام کا احیاء چاہتے ہیں۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہئے

کہ یہ عرب IMPERIALISM یہ عرب شہنشاہی جو ہے بنی امیہ اور بنو عباس کی حکومتیں کیا تھیں؟ ملوکیت۔ کہہ دیتے ہیں ہم خلیفہ! یہ خلیفہ تھے؟ خلیفہ تو ابوبکر تھے عمر تھے عثمان تھے علی تھے ﷺ چٹائیوں پر بیٹھنے والے کوئی محل نشین تو نہیں تھے یہ تو بادشاہ تھے ان کا کروفر تھا ان کے خزانے تھے ان کے محل تھے ان کی عیاشیاں تھیں ان کے ناؤ نوش تھے اور کوہِ قاف کا سارا نسوانی حسن لا کر اپنے محلوں میں ہزار ہا ہزار لونڈیاں رکھی تھیں یہ کیا تھا یہ اسلام تھا؟ اور دنیا تو اسلام کو انہی کے حوالے دیکھتی ہے وہ دس برس مدینہ کی ریاست کے اور تیس برس خلافت راشدہ کے کل چالیس برس اور یہ جو سارا آگے پیچھے ہوا ہے ہزار برس میں وہ تو اسلام کو اسی حوالے سے دیکھیں گے تو آج گویا کہ ہمیں موقع مل جائے گا کہ ہم اسلام کا وہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں ظاہر بات ہے کہ عرب ملوکیت سے پہلے کیا تھا خلافت راشدہ تھی گویا کہ لفظ' خلافت راشدہ' اس میں نہیں آیا ہے لیکن یہ کہ اس کے معنی تو خلافت راشدہ کے ہیں اس کا نظام قائم کیا جائے اور دنیا کو دکھایا جائے کہ COME AND SEE WITH YOUR OWN EYES AND SEE THIS IS ISLAM۔ یہ ہے مثبت انجکشن جو علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے جسد میں لگایا ہے یہی انجکشن علامہ اقبال نے ایم اے جناح کو لندن میں جا کر لگا دیا۔ 1932ء کی تیسری گول میز کانفرنس میں جناح صاحب تو شریک ہی نہیں تھے وہ تو سیاست چھوڑ چکے تھے اب دیکھئے جناح صاحب کی زندگی کے یہ دو دور ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں وہ تو وہاں انگلینڈ میں تھے اپنی PRACTICE کر رہے تھے اقبال 1932ء میں اس گول میز کانفرنس میں گئے تھے وہاں ملاقاتیں کی ہیں اور یہی نقشہ ان کے سامنے رکھا ہے کہ یہ ہندو مسلم مسئلہ چھوڑ کر اسلام کے مسئلے کو لے کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے درحقیقت وہ چیز جس سے کہ محمد علی جناح کی قلب ماہیت ہوئی ہے۔

میں آپ کو کچھ اقتباسات سناؤں گا کہ محمد علی جناح کی نگاہ میں اقبال کا مقام کیا تھا پہلے میری بات سن لیجیے کہ جیسا کہا ہے مولانا روم نے۔

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولانا روم مولائے روم نہیں بن سکتا تھا جب تک کہ شمس تبریز کے روحانی فیض سے فیض یاب نہ ہوتا۔ محمد علی جناح قائداعظم نہیں بن سکتا تھا اگر اقبال کے فیض سے فیض یاب نہ ہوتا مولانا رومی کو مولائے روم بنانے والا شمس تبریز اور ایم اے جناح کو قائداعظم بنانے والا علامہ اقبال اس میں مجھے خیال ہے کہ بہت سے لوگ بڑے پریشان ہو جائیں گے اس میں کچھ باتیں نئی ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ خود قائداعظم نے جو کچھ کہا ہے علامہ اقبال کے بارے میں وہ آپ کو سنا دوں۔

(جاری ہے)

بے مثال قانون دان ـــــــ سید الفقہاء ـــــــ حافظ حدود اللہ

حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

المعروف امام ابوحنیفہ

انجینئر مختار فاروقی

قرآن وسنت کے محکم دلائل پر مبنی اسلام کا تصور حکومت اور حکمرانوں کے کردار کا ''پیکر محسوس'' خلافت راشدہ کے بابرکت دور میں یکا یک منصۂ شہود پر لوگوں کے سامنے آیا اور نگاہوں کو خیرہ کر گیا۔ اس دور میں حکمران درویش صفت اور '' سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ'' کی تفسیر تھے اور نظام حکومت ''شُوْرٰی بَیْنَھُمْ'' کے سنہری اصولوں پر قائم تھا معاشرہ کامل مساوات انسانی پر مبنی تھا اور گروہی، لسانی، علاقائی، خاندانی تعصّبات سے یکسر پاک تھا۔ عورت کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور اس کی عزت وآبرو ہر وقت محفوظ تھی۔ معاشی واقتصادی سطح پر محنت کو اس کا صحیح مقام دیا

گیا تھا۔ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ کا نعرہ مستانہ زبان زد عام تھا اور مفت خوری، گداگری، غیر حاضر زمینداری، سرداری اور بادشاہتیں (بقول اقبال ''مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگنے یا خراج'') غلط سمجھ کر یکسر مٹا دی گئیں تھیں۔ چنانچہ سٹہ، سُود، جواء (CHANCE MONEY) شراب نوشی، منشیات، رقص وسرور اور بے لگام لہو ولعب پر پابندی تھی۔ زکوٰۃ اور عشر کے نظام سے کفالت عامہ کا تصور دیا گیا تھا کہ حکومت ہر مسلم اور غیر مسلم شہری کی ضروریات از قسم روٹی، کپڑا، مکان کم از کم تعلیم اور علاج معالجہ کی کفیل تھی۔ جس سے معاشرے میں امن و سکون اور عدل وانصاف کا دور دورہ تھا نیز احترام جان ومال کا سبق سب کو یاد تھا۔ سیاسی سطح پر حکمرانی اور SOVERIGNITY اللہ ﷻ کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا اور عوام اور حکمران اللہ ﷻ کی نیابت وخلافت کے امین تھے اللہ کے احکام کی تنفیذ تھی۔ عہدے امانت اور اہلیت پر ملتے تھے نہ کے خاندانی وراثت کے طور پر۔

حضرت محمد ﷺ کی وفات (11ھ) کے 30 سال بعد تک خلافت راشدہ ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا 20 سالہ دور ہے بعد ازاں آہستہ آہستہ ان اعلیٰ معیارات میں کمی آتی چلی گئی اور مسلم سوسائٹی اجتماعی معاشرتی اقدار کے حوالے سے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی ——— ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ——— پھر ایک درجہ اور نیچے ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ کے فرمان رسالت مآب ﷺ کی عملی تفسیر بن گئی۔ اور قوموں کے عروج وزوال کے قانون فطرت کے عین مطابق اور باطنی انسانی داعیات پر ہدایت ربانی کی عمومی گرفت میں کمی ہونے پر برے نتائج کے ظہور کا مظہر۔

ان حالات میں اللہ ﷻ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اٹھایا اور انہوں نے اسلام کے انقلابی اصولوں سے جہاں جہاں ضعف واضمحلال پایا اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔ انہیں کل دو سال کا عرصہ ملا جبکہ معاشرے کے بااثر طبقات کے عمومی حالات بالکل دگرگوں تھے تاہم یہ مرد درویش اور خلیفہ راشد حالات کے سامنے سینہ سپر رہا اور ع ''خوش درخشید و لے مشعلہ مستعجل بود'' کے مصداق تھوڑے عرصہ میں بھی اصول پسندی، ایثار اور قربانی کی مثال ضرور قائم کر گیا۔

معروضی طور پر نگاہ ڈالیں تو بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو کام انہوں نے اولیت دے کر کئے وہی پہلو حد درجہ بگڑ چکے تھے تبھی انہیں یہ اصلاحی کام سرانجام دینا پڑے، جاگیروں کی واپسی، اموال مغصوبہ کی بیت المال میں جمع کرانے کی مہم، سرکاری عہدوں پر اہلیت کی بنیاد پر

تقرری اور خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین ایسے اقدامات تھے جن سے ان کا خاندان اور اعزہ واقارب سب نہ صرف ناراض ہو گئے بلکہ جانی دشمن بن گئے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مالی معاملات میں سنگینی کتنی گہری تھی اور یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے وفات پائی۔ خاندان بنی امیہ نے بالخصوص اور طبقہ امراء اور آسودہ حال لوگوں نے بالعموم اجتماعی طور پر متحد ہو کر کوشش کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اصلاحی اقدامات کو ختم کر دیا اور سابقہ ڈگر پر بیت المال کے ذاتی اغراض کے لئے استعمال اور ناجائز لوٹ مار کا دور دورہ ہو گیا۔

ہر عمل کا ایک ردّعمل اتنا ہی زیادہ اور مخالف سمت میں ہوتا ہے اصلاحی اقدامات کا یہ منفی ردعمل بھی اسی طرح زوردار اور ذاتی اغراض کی تکمیل کیلئے تھا جس کا اثر پورے معاشرے پر پڑا اور امن وامان، عدل وانصاف اور کفالت عامہ کی جگہ طوائف الملوکی اور سیاسی بے چینی نے لے لی۔

دوسری صدی ہجری کی ابتدائی تین دہائیاں وہ ہیں جن میں بنوامیہ کا اقتدار مستحکم نہ رہا اور ہچکولے کھاتا اور گرتا پڑتا بالآخر 132ھ میں حضرت معاویہؓ کے کل 72 سال بعد ختم ہو گیا۔

اوپر درج شدہ تصویر ان حالات کی ہے جن میں تاریخ اسلام کی دوسری نامور شخصیت نے آنکھ کھولی اور بچپن اور جوانی کی عمر گزاری۔

ذاتی حالات وکوائف

نعمان: نام، ابوحنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب تھا۔ شجرہ نسب یوں ہے: نعمان بن ثابت بن نعمان (زوطی) بن مرزبان پیدائش: کوفہ 80ھ (699ء) وفات: کوفہ 150ھ (767ء)

آپ عجمی النسل تھے اور آپ کے دادا حضرت علیؓ کے دور خلافت میں کوفہ میں قیام کے دوران (پہلے پنجاب سے کابل اور پھر) کابل سے کوفہ جا کر مسلمان ہو گئے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا بچپن ایک پرآشوب دور تھا۔ حجاج بن یوسف عراق کا حاکم تھا اور مذہبی تصادم اپنے عروج پر تھا۔ عبدالملک اور اس کے بعد ولید کے عہدے داروں میں اکثریت ایسے ہی سفاک اور ظالم قسم کے حکمرانوں کی تھی۔ اس کے بعد سلیمان اور پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں اسلامی دنیا کو کسی قدر سکون نصیب ہوا۔ ظالم عمال حکومت معزول کر دیئے گئے اور علوم مذہبی کی

طرف خصوصی توجہ دی گئی۔امام زہری نے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا۔غرضیکہ امام ابوحنیفہ کے لئے اب وہ موقع آیا کہ آپ تحصیل علم کی طرف مناسب توجہ دے سکیں ان دنوں آپ کوفے میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا بنایا کرتے اوراس کی تجارت کرتے تھےاس کے ساتھ ساتھ آپ حمادرحمہ اللہ (وفات 120ھ) کے درسوں میں شریک ہوتے تھے۔یہاں آپ نے علم کلام اورفقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔حماد کے انتقال کے بعدکوفہ میں فقہ پرسب سے زیادہ ممتاز حیثیت کے مالک آپ ہی تھے۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے اگر چہ حماد کے علاوہ اورعلماء سے بھی فقہ کی تحصیل کی۔لیکن وہ اس فن خاص میں حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ حماد کی بہت تعظیم کرتے تھے۔اگر چہ فقہ میں امام موصوف نے زیادہ تر حماد ہی کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا' لیکن علم حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔یہاں صرف ذہانت اوراجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی ضرورت تھی جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس وقت نہایت پریشان اورغریب المرتبت تھیں یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ کوبھی دو چارسو سے زیادہ احایث یاد نہ تھیں اور یہ تعدادضروری مسائل کے حل کے لئے بھی ناکافی تھی۔

علاوہ ازیں طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے معلوم نہ ہو' اس کے مفہوم اورتعبیر کا ٹھیک ٹھیک تعین دشوار تھا۔امام اعظم رحمہ اللہ کوحماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا اس لئے نہایت سعی واہتمام سے حدیثوں کو بہم پہنچانے پر آپ نے توجہ دی۔تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام موصوف نے زانوئے تلمذتہ نہ کیا ہو آپ کوان مختلف اور متعدد درسگاہوں سے اگر چہ احادیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے آپ نے حرمین شریفین میں جانا ضروری سمجھا جوعلوم مذہبی کے اصل اور بڑے مراکز تھے۔

جس زمانے میں امام اعظمؒ مکہ معظّمہ پہنچے درس وتدریس کا بہت زور تھا۔عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔امام موصوف استفادہ کی خاطر حاضر خدمت ہوئے تو عطاؒ بن ابی رباح نے آپ سے پوچھا۔''تمہارا عقیدہ کیا ہے؟''

''میں اسلاف کو برا نہیں کہتا' گناہگار کو کافر نہیں سمجھتا' قضاوقدر کا قائل ہوں۔''

عطاؒ بن ابی رباح نے امام موصوف کو اجازت دے دی کچھ عرصے بعد یہ عالم تھا کہ جب وہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ آپ کو اپنے پہلو میں جگہ دینے لگے۔

امام اعظم رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ سالم رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب ﷺ اور سلیمان سے بھی ملاقی ہوئے۔ آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ آخر زندگی تک جاری رکھا۔ آپ اکثر حرمین جاتے اور پھر مہینوں وہاں پر قیام کرتے۔

حج کی تقریب پر ممالک اسلامیہ کے ہر گوشے سے بڑے بڑے اہل علم اور صاحبان کمال آ کر جمع ہوتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے آپ کو ''قیّاس'' مشہور کر دیا تھا ان ہی دنوں آپ کے شاگرد عبداللہ بن مبارک نے بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے فن حدیث کی تکمیل کریں جب ان کی ملاقات امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ہوئی تو انہوں نے عبداللہ ابن مبارک کی زبانی تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جس کے بعد امام ابوحنیفہ کے متعلق ان کی غلط فہمی دور ہوگئی۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کیلئے جب امام اوزاعی رحمہ مکہ تشریف لے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی وہاں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا۔ ''اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے' بلاشبہ میری بدگمانی غلط تھی' جس کا مجھے افسوس ہے۔'' تاریخ شاہد ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کی شاگردی کی ہے۔ غالباً وہی زمانہ ہے کہ آپ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔

حضرت باقر رحمہ اللہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوا حنیفہ رحمہ اللہ دوسری بار مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ایک علمی مکالمہ کے بعد حضرت باقرؒ نے بھی آپ سے متعلق موجود غلط فہمی کو دور کر دیا اور آپ کی علمی حیثیت و وجاہت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت باقر رحمہ اللہ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیشانی چوم لی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں

حاصل کیں۔آپ اس خصوصیت سے مشہور ہیں کہ آپ کے شیوخ حدیث بے شمار تھے۔

آپ نے خاندان بنوامیہ کا زوال بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بنی ہاشم اور بنی عباس کی مشترکہ کوششوں سے سلطنت بنی عباس کی تشکیل بھی آپ کی زندگی میں ہوئی۔

کسی خاندان کی سلطنت کا دور زوال ،خونریزی اور طوائف کا دور ہوتا ہے اور کسی دوسرے خاندان کی حکومت کے حصول کے بعد سلطنت کو استحکام دینے کی غرض سے مخالفین کا قتل اور سر اٹھانے والے گروہوں کا استیصال سمیت ممکنہ خطرات کی حامل شخصیات سے گلوخلاصی اس دور کی ناگزیر کاروائیوں کا حصہ ہوتی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ دور اپنی عمر میں مشاہدہ کئے اور اس کی زہرناکیوں سے زخم خوردہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد میں سے آپ کے بیٹے حمّاد اور پوتے اسماعیل نے جو قاضی بصرہ اور قاضی درقہ تھے (متوفی 112ھ۔827ء) فقہ اسلامی میں ممتاز حیثیت حاصل کی۔

شاہی عہدوں کی پیش کش

بنوامیہ کے ایک حاکم مروان حمار کے دور میں آپ کو اعلیٰ عہدہ (صوبائی چیف سیکرٹری) کی پیش کش ہوئی جسے آپ نے کمال بے اعتنائی سے مسترد کر دیا اور دھمکیوں سے بھی بالکل مرعوب نہیں ہوئے۔اسی طرح دور بنوعباس کے ابتدائی دور میں بھی آپ کو تسلسل کے ساتھ عہدوں کی پیش کشیں کی گئیں مگر آپ کی حقیقت شناس اور دوراندیش طبیعت نے کبھی کوئی پیش کش قبول نہیں فرمائی۔بقول نظیری

خلاف رسم درایں عہد زخرق عادت واں
کہ کار ہائے چنیں از شمار بوالعجبیت

چنانچہ خاندان بنوعباس کے دوسرے حکمران ابوجعفر منصور نے آپ کو بلا کر قاضی القضاہ کے عہدے کی پیش کش کی جسے آپ نے رد کر دیا اور کسی رعب اور لالچ میں نہیں آئے حتیٰ کہ آپ کو قید کر دیا گیا۔اور چار سال کی قید کے دوران ہی ان کا انتقال ہوا اور قید خانے سے ہی جنازہ اٹھا۔

قانون اسلامی کی تشکیل وتحفظ

قانون اسلامی اپنی ٹھوس اور محکم بنیادوں ،حکیمانہ اور فطری استدلال ،نفسیات انسانی

میں موجود مثبت و منفی داعیات کے صحیح ادراک اور ان کے درمیان حسین اعتدال کے تصورات پر مبنی ہے اور اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اس کا خالق ارض وسماء اور فاطر فطرت کی طرف سے ہونے کا حقیقی دعویٰ ہے۔ ثانیاً ''اسلامی قانون'' کے ماخذوں کی حفاظت اور تاریخی طور پر ہر دور میں AVAILABILITY اور اس کا مطالعہ و تلاوت ہے۔ تقابلی طور پر دیکھیں تو دوسرے نظام ہائے قوانین بنیادی طور پر MAN MADE ہیں جس میں فطرتاً دوسرے انسانی گروہوں سے انصاف ناممکن ہے اور ثانیاً ان کا تدریجاً اور نسلاً بعد نسل تشکیل پا کر تکمیل کے مراحل کرنا ہے۔

قانون اسلامی (جسے عرف عام میں فقہ یا فقہ اسلامی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور یہی زیادہ عام ہے) کے ماخذ چار بتائے جاتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید

2۔ سنت رسول ﷺ (حدیث)

3۔ قیاس

4۔ اجماع

ان چار ماخذ میں سے بنیادی ماخذ قرآن مجید و سنت رسول ﷺ ہی ہیں۔ قیاس تو ہوگا ہی اپنے دور میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہو جبکہ اجماع کا معاملہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ایک نادر الوقوع واقع ہوگا اس کے لئے کسی رائے کو قبول عام حاصل ہونا کسی محنت اور تدبیر سے زیادہ اس کے داخلی اور فطری پہلوؤں پر منحصر ہے۔

لہٰذا ــــــــــــ قانون اسلامی کے تحفظ کے لئے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کا تحفظ از بس ضروری تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

مزید غور کریں تو قرآن مجید کا معاملہ بہت مختلف ہے اور اس کی حفاظت کا معاملہ بھی طے شدہ ہے اس لئے کہ اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (15-9)

''بے شک یہ نصیحت (کتاب) ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

اس خدائی تدبیر کے کچھ اسباب بھی سامنے ہیں اور ان کا تسلسل ضروری ہے تاہم اس

کی حفاظت کے اسباب ختم نبوت کے خدائی فیصلے کے لازمی نتائج ہیں۔ جو لازمی اور لابُدی تھے اور تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو دوست اور دشمن سب مانتے ہیں کہ قرآن مجید اسلام دشمن لوگوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ماضی میں بھی محفوظ رہا ہے اور ان شاءاللہ آئندہ بھی ایسی ناپاک جسارتوں کی دست بُرد سے محفوظ رہے گا۔

قانون اسلامی کے تحفظ کے لئے اصل مسئلہ سنت رسول ﷺ کا تحفظ تھا۔ امام ابوحنیفہ کے زمانے تک اس پر کئی ادوار گزرے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1۔ عہد نبوت ﷺ

2۔ عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

3۔ عہد صغار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ

حالات اب اس تیسرے دور سے چوتھے دور میں داخل ہو گئے تھے۔ جس میں صغار صحابہ رحمۃ اللہ بھی وفات پا چکے تھے۔ اسلامی سلطنت بہت وسیع ہو چکی تھی اور اس کے اطراف و اکناف میں قانون اسلامی پر عمل درآمد کے لئے اس کی تدوین کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا اس لئے دوسری صدی ہجری بالخصوص اشتغال بالفقہ الاسلامی کا دور ہے۔

قانون اسلامی کی تدوین پر گفتگو کرتے ہوئے ایک عملی پہلو جس کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ نظام عدل میں ایک منصف اور جج (یا قاضی) کے لئے کسی موجود قضیہ کے لئے کم سے کم وقت میں انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ تک پہنچنا ہے۔ نہ ہر منصف کے پاس یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ اصولوں سے استنباط کر کے اور قیاس کر کے موجود قضیہ پر اطلاق کر سکے اور نہ ہی ہر مسئلے میں وقت اور موقع میسر آتا ہے۔

عہد نبوت ﷺ میں قاضی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے تھے، وسائل سادہ تھے اور مقدمات کم۔ ان حالات میں وہ اصولوں سے استنباط کر کے جلد فیصلے تک پہنچ جاتے تھے جب تک اسلامی سلطنت وسیع نہیں ہوئی تھی اہل علم و فضل اور با صلاحیت قاضی یہ فیصلے کرتے رہے اور اس

سے نظائر اور عملی مسائل کے سلسلے میں اسلامی قانون کو عملی شکل دی جاتی رہی۔ دور خلافت راشدہ میں بھی صحابہ ؓ کی کثیر تعداد موجود تھی اور پھر تبلیغ دین کی غرض سے بھی صحابہ مدینۃ النبی ﷺ سے بلادِ شام وکوفہ میں آباد ہو گئے تھے کہ لوگ مقامی سطح پر ہی ان سے استفادہ کر سکیں۔

تیسرا دور صغار صحابہ ؓ اور صحابہ کرام کے ممتاز اور لائق شاگردوں کا ہے اور اس میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اہل علم وفضل کی بھی کثیر تعداد اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں ہر جگہ موجود تھی۔ تاہم عہد نبوت ﷺ کے ایک صدی بعد حالات اس طرح آگے بڑھ رہے تھے کہ صحابہ ؓ کے مزاجوں کے فرق کے ساتھ اب ان کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں میں ممکن تھا کہ اختلاف رائے کی وجہ سے قانون اسلامی کی تشریح قابل قبول اور قابل در گزر حدوں سے نکل جائے یہی دور ہے جس میں اسلامی حکومت میں شام، کوفہ، مصر، مدینہ میں مختلف شخصیتیں اپنے اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کام کر رہی ہیں لوگ انہیں کا احترام کرتے ہیں اور انہی کے بتائے قانون اسلامی کی تشریح تسلیم کرتے ہیں جس سے قانون اسلامی کی تشریحات میں بعد پیدا ہو رہا تھا اور دشمنوں کو بھی موقع مل رہا تھا کہ وہ ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شام، کوفہ، مدینہ میں اختلاف کو ہوا دے کر اس میں من مانی باتیں داخل کر سکیں۔ ان شارحین قانون اسلامی اور فقہائے امت کے آپس میں ملنے کے لئے ایک موقع حج اور عمرے کے اسفار تھے یہاں لوگ دور دراز سے آتے اور مہینوں قیام کر کے تبادلہ خیالات کرتے اپنے معلومات و تجربات SHARE کرتے اساتذہ سے قانون اسلامی کی اہم بنیاد ''حدیث'' کا علم حاصل کرتے اور واپس لوٹ جاتے۔

تاہم یہ ذریعہ جامع و مانع نہیں تھا اور نہ دشمنان اسلام کی شرارتوں سے محفوظ۔ چنانچہ حدیثوں کے گھڑنے اور متن حدیث میں ملاوٹ تدلیس جیسی باتیں اسی دور میں شروع ہو چکی تھیں

اس دور کے مخلص دردمند اور باصلاحیت لوگوں کے سامنے دو مسئلے بہت اہم تھے پہلا یہ کہ حفاظت حدیث، یعنی حدیثوں کو جمع کیا جائے ان کی چھان پھٹک کر کے صحیح اور غیر صحیح، اصلی اور موضوع کی پہچان کی جائے اور اس کے اصول وضع کئے جائیں اور اس کو کتابوں میں محفوظ کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ــــــــــــ اسلامی قانون جو کہ بلاد اسلامیہ کے ایک صدی کے تعامل اور

عدالتی فیصلوں کے نظائر میں ابتدائی مراحل سے گزر چکا تھا اس کو مزید نکھار کر اور چھان پھٹک کر کے مدون کر دیا جائے جو کہ ایک منصف اور قاضی کی ضرورت ہے۔ تا کہ نظام عدل محکم بنیادوں پر استوار اور رواں دواں رہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دور میں اگر چہ پہلے کام پر بھی کافی توجہ ہو چکی تھی اور لوگ احادیث کے جمع کرنے اور کتابوں کی شکل دینے میں مصروف ہو چکے تھے تاہم یہ کام کئی نسلوں میں پایہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا۔ جبکہ خلافت راشدہ کی صحت مند روایات اور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے اثرات ابھی فضا میں چھائے ہوئے تھے تاہم دور بنو امیہ کے آخری عشروں کی بے امنی و بدسکونی اور باہمی خانہ جنگی سے یہ امر قرین قیاس تھا کہ اسلامی روایات اور قانون محفوظ نہ رہ سکے۔

لہٰذا ـــــــــــــ بہت سے اصحاب علم و فضل اسلامی قانون کی تدوین اور حفاظت کو اوّلیت دے کر اس میں مشغول ہو گئے ان اصحاب علم و فضل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے اساتذہ اور ان کے ساتھ کام کرنے والے افراد کی جماعت کے علاوہ اور بہت سی شخصیات اور جماعتیں تھی جو کام کر رہی تھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس ضمن میں جس قدر وقیع کام کیا ہے اور جس منظّم انداز سے کیا ہے اسلامی قانون کی تدوین میں اس سے زیادہ کام غیر سرکاری سطح پر کوئی اور نہیں ہو سکا۔ (فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سرکاری سطح پر حکومت کے زیر انتظام ہوئی ہے) اسلامی قانون کے اس طرح مدون ہو جانے سے اب قانون زبانی نہیں رہا اور نہ ہر منصف اور جج کے پاس وسیع امکان کہ وہ پیش آمدہ قضیہ میں جو چاہے فیصلہ کر دے اور اس طرح بلاد اسلامیہ میں انتشار کا سبب بن جائے بلکہ ترتیب وار اور شق وار تدوین کے بعد بہت چھوٹا سا دائرہ تھا جس میں قاضی کو معروضی حالات میں جرم کی نوعیت، مجرم کے حالات پس منظر اور عرف کا لحاظ رکھنا تھا۔ جس سے عباسی دور کے ابتداء میں ہی بلاد اسلامیہ کے طول وعرض قانون کی یکسانیت پیدا ہو گئی اور فیصلوں کے اجراء اور تنفیذ میں ذاتیات اور پسند ناپسند کا عنصر تقریباً ختم ہو گیا اور وسیع سلطنت کے شایانِ شان قانون اسلامی مدون شکل میں میسر آ گیا۔

قانون اسلامی کی اس تدوین اور حفاظت کا نتیجہ ہے کہ اس شعبے میں دشمنوں کی دراندازی کے امکانات ختم ہو گئے اور آج بھی اسلامی قانون ایک جاندار زندہ اور قابل عمل نظام قانون کے طور پر موجود ہے اور دوسرے تمام نظام ہائے قوانین کے مقابلے میں کھڑا ہوسکتا ہے۔ (اگر چہ خود داخلی طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق دور حاضر کے مسائل پر غور کرنے اور اس کو UPDATE کرنے کی ضرورت ہے)۔

جبکہ حدیث کی حفاظت کا دوسرا میدان جو احادیث کو جمع کرنا اور اس کو کتابوں میں محفوظ کرنا تھا اس میں چونکہ ڈیڑھ صدی گزر گئی (امام بخاری وفات 256ھ۔870ء، امام مسلم وفات (261ھ۔875ء۔امام ترمذی 279ھ۔892ء، امام ابوداؤد 204ھ۔819ء) اس لئے دشمنان اسلام کو احادیث کے ذخیرہ میں موضوع احادیث کے داخل کرنے اور اس کے انبار لگا دینے کا موقع مل گیا اس کے علاوہ کتابوں کے متن کی تبدیلی وکمی بیشی اور روایات کا اضافہ کرنے کا موقع مل گیا جس سے صحیح احادیث کی تلاش میں اہل علم کو کہیں زیادہ محنت ومشقت سے کام لینا پڑا۔

ایمانی کیفیات کی حفاظت کے لئے فتنوں کا سدّ باب عقائد کی تدوین

دین اسلام میں اللہ ﷻ اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اسلام کلمہ شہادت کی ادائیگی اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے اہتمام کا نام ہے جبکہ اس کے ساتھ دل میں اللہ کا یقین اس کی کتابوں، فرشتوں، قیامت کے دن، وحی، پیغمبروں علیہم کا یقین ہو تو ایمانی کیفیات ہیں اور آخرت میں کامیابی کا انحصار اسلام کے ساتھ ان ایمانی کیفیات پر بھی ہے۔ یہ ایمانی کیفیات چونکہ چھپی ہوئی اور دل میں ہوتی ہیں لہٰذا اس کے بارے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا یا کسی دوسرے مسلمان کو غلط فہمی میں ڈال دینا فتنہ پرور لوگوں کے لئے آسان ہے۔

دشمنان اسلام کے لئے یہ راستہ ہمیشہ سے پسندیدہ راستہ رہا ہے اور اس راستے میں بے شمار لوگ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی شاید اسلام کی حقیقت اور ایمان سے دور چلے جاتے ہیں۔ دور صحابہ ؓ میں ہی خوارج کا فتنہ ایک زور دار فتنہ تھا جس نے ایک وقت میں بلاد اسلامیہ میں افراتفری کی کیفیت پیدا کر دی تھی اور اس کے بعد بھی اسی نوعیت کی علمی موشگافیاں ہر دور میں پہلے سے کہیں بڑھ کر سامنے آتی رہی ہیں۔ ان حالات میں ایمانی کیفیات کو عام آدمی کی پہچان کے

لئے الفاظ میں معین شکل دینے کا کام نہایت ضروری اور ناگزیر تھا اس دور میں اس کی شدید ضرورت کا احساس آپ کی دوررس نگاہ کو بروقت ہوا ہے اور اللہ ﷻ نے اس مردجلیل کو بروقت خبردار کر دیا اور عقائد کے مدوّن کرنے اور باقاعدہ عبارت بنا کر کتابوں میں لکھ دینے کا کام آپ کے دور میں شروع ہوا اور نہایت زور شور سے ہوا اور بالآخر مدوّن ہو کر امت کے اطمینان کا باعث بنا جس سے لاکھوں کروڑوں لوگ ایمان سے محروم ہونے سے بچ گئے۔ یہ کام عقائد کے عنوان سے ہوا اور تاریخ میں محفوظ ہے اور آج بھی اتنا ہی کارآمد جتنا پہلے تھا

یہ سیمینار 4 جون 2006ء کو قرآن اکیڈمی میں صبح 9.00 بجے منعقد ہوا تھا۔ مقررین یہ تھے۔

پروفیسر مہر غلام سرور صاحب، پروفیسر حمزہ نعیم صاحب،
پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب، پروفیسر مولانا شفیق الرحمٰن صاحب

یہ پروگرام تین گھنٹے جاری رہا اور حاضری بہت زیادہ تھی اور بڑے باوقار انداز سے تکمیل پذیر ہوا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو خدمت قانون اسلامی کی تدوین میں کی وہ بے مثال ہے اس طرح امت اس میدان میں فتنوں اور گمراہی سے محفوظ ہوگئی انہیں کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ نے چونکہ عباسی خلفاء کے ہاں قاضی القضاہ کا عہدہ قبول کر لیا تھا جس سے انہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ کے مدوّن قانون اسلامی کو سرکاری طور پر رائج کرنے کا موقع مل گیا اور اس طرح دور بنی عباس میں عدالتی نظام میں یکسانیت، تسلسل، فیصلوں میں ہم آہنگی اور عدل و انصاف کی فوری فراہمی جیسی خوبیاں پیدا ہوگئیں اور عدالتی نظام کی یہ خوبیاں کسی قوم اور سلطنت کی بقا اور درازی عمر کا سبب ہوتی ہیں سرکاری عہدوں کے ساتھ ہر سطح پر کچھ پابندیاں اور حدود و قیود ہوتی ہیں اور اصلاً کسی سلطنت کے عہدے دار اس جاری نظام کے محافظ (CUSTODIAN) ہوتے ہیں لہٰذا وہ عہدے کے ساتھ نظام میں کسی بنیادی تبدیلی کا کام نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ دور بنی عباس جو بادشاہت تھی اور جاگیرداری کے نظام پر استوار کھڑی تھی اس پورے عرصے میں اس نظام کے خلاف کوئی آواز

سرکاری سطح پر نہ اٹھ سکی اور شاید حالات کے جبر کی وجہ سے غیر سرکاری سطح پر بھی نہ اُٹھ سکی۔

دور بنی عباس جو 524 سال پر محیط ہے اس کی اس طوالت میں دیگر عوامل کے ساتھ عدالتی نظام کے اس استحکام اور یکسانیت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک منفرد انسان تھے اور اللہ ﷻ کی آیات میں سے ایک آیت

ع بندہ مومن ز آیات خدا است

؎ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ

لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْ زُقُنِیْ صَلَاحًا

حرف آزو

قرآن اکیڈمی جھنگ میں منعقد ہونے والے ماہانہ سیمیناروں کے سلسلے کی حکمت بالغہ میں اشاعت کا پچھلے ماہ سے آغاز ہو چکا ہے اور اس سلسلے کی دوسری عظیم شخصیت حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ المعروف امام ابوحنیفہ کے حالات اس اشاعت میں ہدیہ قارئین ہیں۔

ان دنوں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے حالات سے آگاہی کے لئے چند کتب مطالعے میں رہیں اور مزید کچھ کتابوں کی ورق گردانی کا موقع ملا تو دل میں امام صاحب کی عظمت کا گہرا نقش ثبت ہو گیا اور ان کی ملی خدمات اور امت مسلمہ پر احسانات کے بار کی حد درجہ گرانی کا احساس دل میں جاگزیں ہوا۔ امام صاحب نے جس دینی خدمت یعنی قانون اسلامی کی تدوین کی ذمہ داری اٹھائی تھی اس کو انہوں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور 40 سرگردہ اہل علم و فضل کو جمع کیا اور اجتماعی مساعی کے ذریعے 20 سال کے عرصے میں اس عظیم کام کو آخری مراحل تک پہنچایا۔

عہد نبوت ﷺ کے ساتھ ہی متصل بعد عہد خلافت راشدہ ہے جس میں نبی

آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب نے علاقے فتح کر کے ایک اسلامی خلافت کی بنیاد ڈال کر اس کو توسیع بھی دی اور استحکام بھی بخشا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہی انصاف و قانون کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ دور بنوامیہ میں اسلامی سلطنت کی وسعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے صغار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اس کی جگہ لے لی تاہم دوسری صدی ہجری کے آغاز میں دور بنوامیہ میں جاگیرداری کے فروغ اور کفالت عامہ کا ختم ہو جانا سلطنت کے اضمحلال کا سبب بنا۔ دور بنوامیہ کے زوال کا ایک اہم سبب عدالتی نظام انصاف و قانون کے لئے کسی مضبوط اور قانونی نظام کا فقدان تھا اور اس فقدان کے ساتھ اس نظام کو چلانے کے لئے اور مرکز، صوبے، ضلعے اور حلقے اور تھانے کی سطح پر قاضی اور منصف حضرات کے تقرر کے لئے تعلیم، اہلیت اور درجہ بندی وغیرہ کا نظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے عوامی سطح پر انصاف کی فراہمی میں رکاوٹ آ گئی۔ اور ایک عظیم سلطنت ایک صدی کے اندر زوال پذیر ہو گئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ سارے حالات بچشم خود مشاہدہ کئے اور ان کی دور رس اور باریک بین نگاہ نے تجزیہ کر کے ضروریات کا صحیح اندازہ لگایا اور اس کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم شخصیت کو بروقت باخبر کر دیا ورنہ خاکم بدہن اسلامی سلطنت کا زوال ایک درجہ اور نیچے تک چلا جاتا۔ اس دور کے عام علماء سلطنت کی ان ضرورتوں اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کے تقاضوں سے چشم پوشی کر رہے تھے اسی دور کے حالات پر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ نے یہ تبصرہ کیا ہے۔

؎ وما افسد الدین الاالملوك و احبار سوء و رهبا نها

یہ شعر اس دور کے سیاسی حالات اور حکومتی ایوانوں سے متعلق علماء اور رہبان کی ذہنی و فکری ژولیدگی کی عکاسی کرتا ہے۔

اسلامی سلطنت کے سیاسی حالات سے الگ ایک نئی دنیا بسا کر قانون اسلامی کی تشکیل اور تدوین کا کام کر کے آپ نے آنے والی اسلامی دور کو ایک ایسی مضبوط بنیاد فراہم کر دی جس سے دشمنوں کی کارستانیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود وہ عباسی سلطنت پانچ صدیاں چھائی رہی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو دور بنوامیہ میں بھی اور دور بنوعباس میں بھی پرکشش عہدوں کی

پیش کشیں ہوئیں تاہم آپ نے کمال بے نیازی سے ہر پیش کش کو رد کر دیا۔ اور اپنے کام کی تکمیل میں کوشاں رہے۔ اس طرح قانون اسلامی کی تشکیل کا وہ عظیم کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا جو بعد کی ہر اسلامی حکومت کے نظام عدل کی بنیاد ثابت ہوا۔

بعض ملی اور ملکی مصالح کے تحت آپ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے عباسی سلطنت میں چیف جسٹس کا عہدہ قبول کر لیا۔ جس سے ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مدون شدہ پورے اسلامی قانون کو فی الفور وسیع و عریض عباسی سلطنت کا ملکی قانون بنا دیا اس کے ساتھ ہی نچلی سطح تک عدالتی نظام کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے مدارس کا جال بچھا دیا گیا تا کہ اس نظام سے متعلق تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اس طرح یہ کاوش سلطنت کے طول و عرض میں عدل و انصاف کی فراہمی کا ذریعہ بن گئی اور بنو عباس کے دور کے استحکام میں اہم سبب ثابت ہوئی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کی حکومتی عہدہ کو قبول کرنے سے ایک خلاء یہ پیدا ہوا کہ وہ کام جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے حکومتی سرپرستی سے آزاد رہ کر خالص دینی تقاضوں اور قرآن و سنت (حدیث) کی بنیاد پر معروضی طور پر اٹھایا تھا اور مدون کیا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ نئی نئی ایجادات اور اختراعات کی وجہ سے اس میں اضافہ ناگزیر تھا اس سمت مزید پیش رفت نہ ہو سکی۔ قانون اسلامی کی بعض باتیں جن میں عباسی سلطنت اور بادشاہی کے دور عروج میں شراب و کباب اور سامان طرب کی وجہ سے عمل درآمد نہیں ہو سکتا تھا اس پر عمل درآمد کروانے کے لئے خارج میں کوئی قوت یا جماعت اور گروہ موجود نہ رہا جس سے حکومتی ایوانوں میں اصلاحی عمل رک گیا اور بنو عباس کے ہاں کوئی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا ثانی نہ پیدا ہو سکا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اب ایک طرف بادشاہتوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور عوامی حکومتوں کا دور عالمی سطح پر ایک حقیقت بن چکا ہے تو دوسری طرف بے پناہ سائنسی ترقی سے بے شمار نئے گوشے اور 'عرف' کی تبدیلی کے ان گنت زاویے سامنے آ چکے ہیں۔ لہٰذا ــــــــــ ان حالات میں حضرات علماء احناف بالخصوص (اور باقی مذاہب فقہ کے علماء بالعموم) اس کام کے لئے کمر بستہ ہوں تا کہ آئندہ آنے والی اسلامی حکومت کیلئے ایک منضبط اور

مدون شدہ قانون اسلامی فراہم کرسکیں جو ایک طرف قرآن وسنت اور اجماع امت کے مضبوط لنگروں سے بندھا ہوا ہو اور دوسری طرف روح عصر اور جدید ترقی کے مثبت اور حقیقی پہلوؤں کو بھی اپنے اندر سموئے رکھتا ہو۔ یہ عظیم کام ــــــــــــ جب پایہ تکمیل کو پہنچے گا تو مستقبل کی اسلامی سلطنت کی تشکیل کے مراحل تیزی سے طے ہو جائیں گے۔

مستقبل کی اس اسلامی سلطنت میں اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی سوچ اور آراء اور فقہ حنفی کا کوئی مقام ہوسکتا ہے تو اس صورت میں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے متبعین اور مدّاحین اہل علم و فضل آج کے مسائل خاص طور پر ''زمین'' اور ''سرمایہ'' سے متعلق دور حاضر کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر قانون اسلامی کی تدوین کریں اس لئے کہ اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کی عباسی سلطنت میں شمولیت اور اس کے بعد کے فتاویٰ کی بنیاد پر قانون اسلامی کی تدوین ہوگئی تو اس میں عباسی سلطنت کا جبر، جاگیرداری اور حکومتی عیاشیوں اور من مانیوں کے اثرات بھی آ جائیں گے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے حکومتی سرپرستی کے بغیر کئے کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس میں خلافت راشدہ والا اصلی اسلام اور قرآن وسنت کے تقاضے سامنے آئیں گے اور ''زمین'' اور ''سرمایہ'' کی قرآنی تشریح سامنے آئے گی جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ کئی مسائل کے بارے میں دور بنی عباس میں فتویٰ اور تھا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی رائے اور تحقیق مختلف تھی۔

امت مسلمہ کے مسائل کا مستقل حل تو علمائے کرام کے اس عظیم کام کو مناسب حد تک انجام دینے پر ہی ہے جبکہ امت کے فوری مسائل کی شدت میں کمی اور RELEIF کیلئے ایک کام مزید کرنے کا ہے اور وہ ہے زکوٰۃ کا معاملہ۔

جب مستقبل میں اسلامی حکومت بنے گی تو خلافت راشدہ کی طرح زکوٰۃ حکومت ہی وصول کر کے تقسیم کرے گی ــــــــــــ مگر صدیوں سے حکومتی سطح پر یہ کام بند ہے اور آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق اس کا صحیح نقشہ ذہنوں میں دھندلا چکا ہے۔

اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے کا موجودہ عرصہ ــــــــــــ عبوری عرصہ ہے اسلامی حکومت نہیں ہے جبکہ زکوٰۃ کا حکم موجود ہے تو اس حکم پر عمل درآمد کیسے ہوگا۔ اسلامی حکومت کے قیام کی جو کوششیں ہو رہی ہیں یعنی مدارس میں دینی تعلیم، اسلامی انقلاب کیلئے جدوجہد، قانون

اسلامی کی تدوین وتشکیل اسلام کی تبلیغ اور عوامی سطح پر لوگوں میں قرآن پڑھنے، پڑھانے کی مساعی یہ سب کچھ اسلامی سلطنت کے قیام کے بڑے مقصد کے ابتدائی مراحل ہیں یہ مساعی جہاد بالقرآن اور بڑے جہاد کی تیاری کے ضمن میں آتے ہیں۔اس کے لئے وسائل محدود ہیں امت مسلمہ کے اہل ثروت حضرات عطیات دینے سے گریزاں ہیں جس سے اکثر دینی ادارے مشکلات کا شکار ہیں۔

علماء احناف نے اگر چہ اپنے لئے تو تملیک کا مسئلہ سامنے لاکر مدارس کے لئے زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا مسئلہ کسی حد تک حل کرلیا ہے تاہم اسلام کے غلبے کی تمام کاوشوں کے لئے یہ فتویٰ مددگار نہیں ہے۔

دوسری طرف اس فتویٰ کے نتیجے میں ساری زکوٰۃ کا رخ اور بہاؤ مدارس کی طرف ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کی فضیلت بہت بیان ہوتی ہے اور مہمانان رسول ﷺ کی اصطلاح میں ایک کشش ہے جس سے عام مسلمان زکوٰۃ کی رقم مدارس میں دینے کو ترجیح دیتے ہیں جس کا ایک نتیجہ معاشرتی سطح پر معاشی محرومی ہے کہ گلی محلّہ کے غرباء ومساکین اور ذوی القربی اور یتامیٰ محروم رہ جاتے ہیں۔چنانچہ زکوٰۃ وصدقات ہوں یا قربانی کی کھالیں اور فطرانہ زیادہ تر رقم مدارس کو پہنچ جاتی ہے عوام اللہ ﷻ کی عطا کردہ زکوٰۃ کے حصول سے محروم کردیئے جاتے ہیں جس سے معاشرے میں معاشی ناہمواری بڑھ رہی ہے۔

علماء کرام سے دست بستہ عرض ہے کہ اگر غور فرمائیں اور آج اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے کے اس عبوری دور میں اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کی تقسیم کو مدّ نظر رکھتے ہوئے عوام کی رہنمائی فرمائیں کہ

☆ مسلمان صاحب ثروت عمومی طور پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ گلی محلّہ کے ضرورت مندوں کو دیں

☆ جبکہ اموال ظاہرہ (کاروبار وغیرہ کی زکوٰۃ) اجتماعی دینی کاموں یعنی مدارس اور دین کے غلبے کا کام کرنے والے اداروں کو دیں تو دونوں سطح پر فنڈز کا حصول جاری رہ سکتا ہے غریبوں کی امداد بھی جاری رہ سکتی ہے اور دینی اداروں کی سرپرستی بھی۔

علمائے عرب نے تو یہ فتویٰ دے کر دینی کام کرنیوالوں کیلئے آسانی پیدا کردی ہے لہٰذا

وہاں دینی جماعتیں زیادہ فعال ہیں اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد زیادہ منظّم اور مضبوط ہے اگر ہمارے ہاں علمائے پاک و ہند و بنگلہ دیش بھی یہ فتویٰ جاری فرما دیں تو یہاں بھی جاری اسلامی ریاست کے قیام کی کوششیں یک دم تیز ہوسکتی ہیں اور اسلام کے عالمی غلبہ کی منزل قریب آ سکتی ہے

وما ذالك على الله بعزيز

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ عَبۡدُكَ

اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں

وَابۡنُ عَبۡدِكَ وَابۡنُ اَمَتِكَ

تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں

فِیۡ قَبۡضَتِكُ نَاصِيَتِیۡ بِيَدِكَ

مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ ہے

مِاضٍ فِیَّ حُكۡمُكَ عَدۡلٌ فِیَّ قَضَائُكَ

نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم اور عدل ہے میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ

اَسۡئَلُكَ

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں

بِكُلِّ اسۡمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيۡتَ بِهَا نَفۡسَكَ

تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا

اَوۡ عَلَّمۡتَهٗ اَحَدًا مِّنۡ خَلۡقِك اَوۡ اَنۡزَلۡتَهٗ فِیۡ كِتَابِكَ

یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا

اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ

یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ

کہ تو بنادے قرآن مجید کو

رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَصَدْرِیْ

وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذِهَابَ هَمِّیْ وغَمِّیْ

(اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ)